فن تاریخ نویسی: اردو ادب کی منتخب ادبی تواریخ کا تقابلی مطالعہ

آغاز سے 1900ء تک

مقالہ نگار

مباح سمن عروج

یہ مقالہ

ایم۔فل اردو

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دسمبر 2022ء

فن تاریخ نویسی: اردو ادب کی منتخب ادبی تواریخ کا تقابلی مطالعہ

آغاز سے 1900ء تک

مقالہ نگار:

©مباح سمن عرج

یہ مقالہ

ایم۔فل (اردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز (اردو زبان وادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دسمبر 2022ء

مقالے کا دفاع اور منظوری فارم

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: **فن تاریخ نویسی: اردو ادب کی منتخب ادبی تواریخ کا تقابلی مطالعہ**
آغاز سے 1900ء تک

پیش کار: مباح سمن عروج رجسٹریشن نمبر: NUML-F19-26659

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: اردو زبان و ادب

ڈاکٹر بشریٰ پروین ______________

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی ______________

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

تاریخ: ______________

اقرار نامہ

میں، مباح سمن عروج حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے ایم۔فل (اردو) سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر بشریٰ پروین کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گی۔

مباح سمن عروج

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دسمبر 2022ء

فہرست ابواب

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم III

اقرار نامہ IV

فہرست ابواب V

Abstract IX

اظہار تشکر XI

باب اول: موضوع تحقیق کا تعارف اور بنیادی مباحث

1

الف۔ تمہید: 1

1. موضوع کا تعارف

1

2. بیانِ مسئلہ 2

3. مقاصدِ تحقیق 3

4. تحقیقی سوالات 3

5. نظری دائرہ کار 3

6. تحقیقی طریقہ کار 4

7. مجوزہ موضوع پر ما قبلِ تحقیق

6

8. تحدید 7

9. پس منظری مطالعہ

7

10. تحقیق کی اہمیت 9

ب۔تاریخ نویسی اور ادبی تاریخ نویسی 9

1) تاریخ نویسی اور تاریخ نویسی کے اصول

2) ادبی تاریخ نویسی اور ادبی تاریخ نویسی کے اصول

3) تاریخ نویسی اور ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں میں فرق

ج۔تاریخ نگاری کے منتخب اصولوں کا مطالعہ 22

1) اسلوب

2) ماخذات

3) تکنیک

د۔ادبی تاریخ نویسی کی روایت اور منتخب تواریخ کا تعارف 39

1) ادبی تاریخ نویسی کی روایت

2) منتخب ادبی تواریخ و مورخین کا تعارف

ہ۔ڈاکٹر جمیل جالبی کی ادبی تاریخ نویسی 51

و۔تقابل کے بنیادی مباحث

55

حوالہ جات

60

باب دوم: ادبی تاریخ نویسی میں تکنیک کا تقابل 65

1۔ تاریخ ادب اردو آغاز سے 1857 تک از تبسم کاشمیری 65

جائزہ بحوالہ تکنیک
65
1) تقابل: ارخ ادب اردو ابتدا سے 1857 تک از ڈاکٹر تبسم کاشمیری اور تاریخ ادب اردو از ڈاکٹر جمیل جالبی 66
2) نتائج 76
2۔ اردو ادب کی مختصر تاریخ از انور سدید 77
1) جائزہ بحوالہ تکینک 77
2) تقابل: اردو کی مختصر تاریخ از ڈاکٹر انور سدید کا تقابل تاریخ ادب اردو از ڈاکٹر جمیل جالبی 78
3) نتائج 84
3۔ اردو کی مختصر ترین تاریخ از ڈاکٹر سلیم اختر 85
1) جائزہ بحوالہ تکنیک 85
2) تقابل: اردو کی مختصر ترین تاریخ از ڈاکٹر سلیم اختر کا تقابل تاریخ ادب اردو از ڈاکٹر جمیل جالبی 86
3) نتائج 91
حوالہ جات 92
باب سوم: ادبی تاریخ نویسی میں اسلوب کا تقابل 94
1. تاریخ ادب اردو آغاز سے 1857 تک از ڈاکٹر تبسم کاشمیری 94
1) جائزہ بحوالہ اسلوب 94
2) تقابل: تاریخ ادب اردو ابتدا سے 1857 تک از ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا تقابل تاریخ ادب اردو از ڈاکٹر جمیل جالبی 95
3) نتائج 100
2. اردو ادب کی مختصر تاریخ از ڈاکٹر انور سدید 101
1) جائزہ بحوالہ اسلوب 101
2) تقابل: اردو کی مختصر تاریخ از اڈاکٹر نور سدید کا تقابل تاریخ ادب اردو از ڈاکٹر جمیل جالبی 102

3) نتائج 108
3. اردو کی مختصر ترین تاریخ از ڈاکٹر سلیم اختر 108
1) جائزہ بحوالہ اسلوب 108
2) تقابل: اردو کی مختصر ترین تاریخ از ڈاکٹر سلیم اختر کا تقابل تاریخ ادب اردو از ڈاکٹر جمیل جالبی 110
3) نتائج 113
حوالہ جات 114

باب چہارم: ادبی تاریخ نویسی میں ماخذات کا تقابل 116
1. تاریخ ادب اردو آغاز سے 1857 تک از ڈاکٹر تبسم کاشمیری 116
1) جائزہ بحوالہ ماخذات 116
2) تقابل: تاریخ ادب اردو ابتدا سے 1857 تک از تبسم کاشمیری کا تقابل تاریخ ادب اردو از ڈاکٹر جمیل جالبی 118
3) نتائج 131
2. اردو ادب کی مختصر تاریخ از ڈاکٹر انور سدید 131
1) جائزہ بحوالہ ماخذات 131
2) تقابل: اردو کی مختصر تاریخ ازا ڈاکٹر نور سدید کا تقابل تاریخ ادب اردو از ڈاکٹر جمیل جالبی 132
3) نتائج 139
3. اردو کی مختصر ترین تاریخ از ڈاکٹر سلیم اختر 140
1) جائزہ بحوالہ ماخذات 140
2) تقابل: اردو کی مختصر ترین تاریخ از ڈاکٹر سلیم اختر کا تقابل تاریخ ادب اردو 141
از ڈاکٹر جمیل جالبی

3) نتائج	145
حوالہ جات	146
باب پنجم: مجموعی جائزہ، تحقیقی نتائج، سفارشات	148
ا۔ مجموعی جائزہ	148
ب۔ تحقیقی نتائج	154
ج۔ سفارشات	158
کتابیات	
	157

ABSTRACT

Title: The Art of Historiography: Comparative Study of Selected Urdu Literature Histories

The M.Phil Urdu research thesis "Comparative Study of Selected Urdu Literature Histories". The most known books about Urdu literature's history are chosen to compare them with history write-up of Jameel Jalibi. The chosen books are *Taareekh-i Adab-i Urdu, Urdu Adab ki Taareekh (Ibtida say 1857 tak) by Tabassum Kashmiri, Urdu Adab ki Mukhtassar Taareekh by Anwar Sadeed* and *Urdu Adab ki Mukhtassar Tareen Taareekh by Saleem Akhtar.* The purpose of the research is to analyze the rules of literary historiography, to analyze historiography of Jalibi according to rules of historiography, to determine the authenticity of selected books by comparing them on the basis of writing-style, techniques and

referencing and to analyze the research & educational significance of selected historiographies.

To accomplish the objectives of research, concepts of Dr. Jameel Jalibi and Shakir Kundan about historiography was kept in eye as frame-work. According to Jalibi, literary historiography based on three basic dimensions that are research, culture and criticism. In Shakir Kundan's opinion rules of historiography are based on continuity, contemporary conditions, historical appearances, geographical and time differences, traditions of current era, referencing, explanation, writing style, documentations and bibliography, criticism, ages and genres. The research paper is executed according to the mentioned concepts. To compare these books to Jalibi's rules of historiography comparison concept given by Suzan Basinet in his book *Comparative Literature-A critique* and Dr. Gayan Chand Jain's book *Urdu Adab ki Taareekhai'n.*

Qualitative and analytical research methodology is followed to attain the purpose and to acquire authenticity of selected data. Comparative research methodology is followed during collection and writing material.

Thesis comprises five chapters. First chapter includes topic introduction, literary historiography and its rules, Jameel Jalibi's historiography, basic concept of comparison and brief introduction of selected historiographies.

Second chapter "Technical Comparison between selected historiographies" contains the detailed comparison of three selected

book of Urdu literature's history with Jalibi's historiography write-up.

Third chapter "Comparison between selected historiographies in writing style" holds the discussion about similarities and differences of selected books to Jalibi's historiography on the basis of writing-style.

Fourth chapter "Referencing Comparison between selected historiographies" discusses the comparative study about references used by the selected books of history.

All discussion of research is briefly summarized in last (fifth) chapter of thesis. Research results along with suggestions for further research is given at the end of last chapter.

اظہارِ تشکر

بہ نام خداوند جان و خرد بلاشبہ انسان اشرف المخلوقات اور مسجود ملائک ہے اور انسان ہی اللہ تعالیٰ کی وہ واحد مخلوق ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے نطق، یعنی قوت گویائی عطا کی ہے۔ انسان اپنے مافی الضمیر، اپنے احساسات، جذبات کا اظہار الفاظ کے سانچے میں ڈھال کر کرتا ہے۔اس نعمت خداوندی کا انسان جتنا شکر گزار ہو اتنا کم ہے۔ میں ایم فل کے مقالے کی تکمیل پر سجدہ شکر بجالاتی ہوں کہ رب کریم نے مشکلات کے باوجود ایم فل کا مقالہ مکمل کرنے کی توفیق عطا کی اور میرے لیے ہر مشکل راہ کو بھی اپنی رحمت سے آسان بنائے رکھا۔

میں شکر گزار ہوں اپنی مہربان استاد اور نگران مقالہ ڈاکٹر بشریٰ پروین کی، جنھوں نے موضوع کے انتخاب سے لے کے مقالے کی تکمیل تک ہر لمحہ معاونت کی اور تحقیقی سفر میں پیش آنے والی مشکلات سے نمٹنے میں رہنمائی کی۔ صدر شعبہ اردو، تمام اساتذہ کرام اور رابطہ کار ڈاکٹر صائمہ نذیر کی بے حد شکر گزار ہوں جنھوں گام بہ گام رہ نمائی کی۔ میں ممنون ہوں محترمہ ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی جنھوں نے خاکے کی تیاری میں معاونت کی۔ تہ دل سے شکر گزار ہوں ڈاکٹر غلام فریدہ اور ڈاکٹر نعیمہ بی بی کی جنھوں نے موضوع کے متعلق کتب فراہم کیں۔اس کے علاوہ اپنے شفیق استاد محترم سر ساجد جن کی حوصلہ افزائی نے آگے بڑھنے کے لیے ہمہ وقت تیار کیا اور سفر کے کٹھن مراحل میں رہنمائی کی میں آپ کی خصوصی طور پر شکر گزار ہوں۔

میں انتہائی ممنون ہوں ہم جماعت ساتھی محترم محمد یونس کی جو مواد کی تلاش اور کتب کی فراہمی سے مقالے کی تکمیل و جمع آوری تک ہر مرحلہ میں معاون و مددگار رہے اور مقالے کی تکمیل کو ممکن بنانے میں میرا ساتھ دیا۔ میں ہدیہ تشکر پیش کرتی ہوں بہنوں جیسی دوست ہاجرہ امینہ علی کو جو ہر مشکل گھڑی میں ساتھ کھڑی رہیں، مقالے کی تکمیل کے لیے ہمت بڑھاتی رہیں اور تمام تکنیکی و تحقیقی مراحل میں ساتھ دیتی رہیں۔ مرحوم والدین کی شکر گزار ہوں جن کی امیدیں مجھے تھکنے نہیں دیتیں اور ہر موقع پر ان کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ (رب امی اور ابی جی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، آمین!) عائشہ، بریرہ، تاثیر بھائی، دانش بھائی اور تمام دوست احباب، جو اس سفر میں معاون و مددگار رہے ہیں، ان کی شکر گزار ہوں۔ میں اصغر چاچو اور مسرت چچی کا بہ طور خاص شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جن کی سرپرستی نے والدین کی کمی کا احساس حتی الوسع نہیں ہونے دیا۔ میں اپنے عزیز محترم دادا جی پرنسپل فاضل، رضوان بھائی، افشاں باجی، حسام صاحب اور تمام احباب، جو اس تعلیمی سفر میرے معاون رہے، کی شکر گزار ہوں جن کی دعاؤں اور اخلاقی معاونت نے تکمیلِ مقالہ سہل بنایا۔ تحقیقی و تعلیمی سفر بھی زندگی کے سفر کی طرح

کٹھن مگر دلچسپ اور مفید ہے۔ تمام اساتذہ اور احباب کی جنھوں نے اس تعلیمی سفر کو میرے لیے آسان بنایا سب کی ممنون و مشکور ہوں۔

اللہ رب عزت کی بے حد احسان مند ہوں جن کی رحمت سے مشفق اساتذہ اور معاون دوست احباب ملے اور جس کی رحمت سے مقالے کی احسن تکمیل ممکن ہوئی۔ شکراً، یا ربی! شکر الحمد وللہ!

مباح سمن عروج

اسکالر ایم فل اردو

باب اول:

موضوع تحقیق کا تعارف اور بنیادی مباحث

الف۔ تمہید:

1-موضوع کا تعارف:

مجوزہ تحقیقی مقالہ اردو ادب کی تواریخ کے تقابلی مطالعے پر مشتمل ہے۔تاریخ گزرے ہوئے واقعات ان کے بیان اور پرکھ کا نام ہے۔یونانی زبان میں اس کے لیے"Historia"،"ہسٹوریا"کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اس کے لغوی معنی سچائی کو بروئے کار لانے کا منصوبہ بتائے گئے ہیں اور انگریزی کا لفظ"History"جس کے معنی تاریخ کے ہیں یہ ہسٹوریا سے ماخوذ ہے۔اس سے مراد کسی بھی واقعے کی ابتدائی تحقیق اور ان واقعات کی صحت کا تفتیشی بیان اور علم ہے۔یوں تاریخ ماضی میں پیش آنے والے واقعات کے بیان کو کہتے ہیں۔ تاریخ ادب میں گزرے ہوئے حالات وواقعات کے بیان کے ساتھ ساتھ ادب اور اس کے ارتقا کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔اردو ادب کی تاریخ کے حوالے سے بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں جو مفصل اور مختصر تاریخ پر مبنی ہیں۔اردو ادب کی تواریخ میں خاص طور پر پاکستان میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحریر کردہ تاریخ "تاریخ ادب اردو" کو اس کے معیار کی وجہ سے اہمیت حاصل ہے۔اس حوالے ڈاکٹر گیان چند جین اپنی کتاب "اردو ادب کی تاریخیں" میں لکھتے کہ اب تک کی اردو تواریخ میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ ایسی ہے جو سب سے بہتر ہے اور جس میں کم سے کم غلطیاں ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تاریخ "اردو ادب کی تاریخ ابتدا سے 1757" بھی اردو ادب کی تواریخ میں اہمیت کی حامل ہے۔ اردو کی مختصر تواریخ میں ڈاکٹر انور سدید کتاب "اردو ادب کی مختصر تاریخ" اہمیت کی حامل ہے اس کے علاوہ ڈاکٹر سلیم اختر کی کتاب "اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" بھی اہم ہے۔اس مقالے میں ان تینوں تواریخ کا تقابل ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو سے کیا جائے گا۔ان تمام تواریخ میں اردو ادب کی ترقی کا خاکہ زمانہ قدیم سے تاحال بیان کیا گیا ہے۔مجوزہ مقالہ میں اردو کی تواریخ کا تقابل ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ سے کیا جائے گا اس سے قبل ادبی تاریخ نویسی

کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کا اسلوب، تکنیک اور ماخذات کے حوالے سے جائزہ لیا جائے گا اس کے بعد منتخب تواریخ ادب اردو کا ڈاکٹر جمیل جالبی کے ساتھ تقابل کیا جائے گا۔ کون سی تاریخ اس کے زیادہ قریب ہے۔ مجوزہ موضوع پر تحقیق میں کام آغاز سے 1900 تک اردو ادب کی تاریخ پر ہے۔ اس حوالے سے آغاز تا 1900 اردو ادب کی تواریخ کا تقابل کیا جائے گا۔ اس مقالے میں اردو کی چند منتخب تواریخ "اردو ادب کی تاریخ (آغاز سے 1757 تک) از ڈاکٹر تبسم کاشمیری، اردو ادب کی مختصر تاریخ" از ڈاکٹر انور سدید" اور اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" از ڈاکٹر سلیم اختر اور کا تقابل ڈاکٹر جمیل جالبی کی "تاریخ ادب اردو" سے کی۔

بیانِ مسئلہ:

تاریخ نویسی خصوصاً ادبی تاریخ نویسی ایک محنت طلب اور جاں فشانی کا کام ہے۔ ادبی تاریخ نویسی قاری اور طلبہ کی راہنمائی اور آگہی کا کام بھی کرتی ہے۔ اس حوالے سے ادبی تاریخ نویسی کا صحیح اور ہر طرح سے معیاری یعنی اسلوب تکنیک اور خصوصاً ماخذات کا درست ہونا لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجوزہ موضوع کے ذریعے ادبی تواریخ کی معیار بندی کی ضرورت کو محسوس کیا گیا۔ ادبی تاریخ نویسی ادبی تواریخ ادب کو سمجھنے میں اور ادب پہ ہونے والے معاشرتی و سیاسی اثرات سے بھی آشنا کرتی ہیں۔ ادبی تاریخ میں ماضی کے ادبی ذخائر کا جائزہ لیا جاتا ہے مگر اس کا کام محض جائزہ لینا نہیں ہوتا بلکہ اس میں ادبی ذخائر کی قدر و قیمت کا تعین بھی کیا جاتا ہے۔ اردو ادب کی تاریخ کے حوالے سے بہت سی تواریخ لکھی گئی ہیں۔ جن میں کچھ مفصل اور کچھ مختصر ہیں۔ اس کے علاوہ اردو زبان کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں میں بھی اردو زبان و ادب کے حوالے سے تواریخ لکھی گئی ہیں، جن میں انگریزی سر فہرست ہے۔ اردو زبان میں لکھی جانے والی تواریخ میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی "تاریخ اردو ادب" کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ ڈاکٹر گیان چند جین اپنی کتاب "اردو ادب کی تاریخیں" میں لکھتے کہ اب تک کی اردو تواریخ میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ ایسی ہے جو سب سے بہتر ہے۔ مجوزہ مقالے میں اردو ادب کی منتخب تواریخ کا تقابل ڈاکٹر جمیل جالبی کی "تاریخ ادب اردو" سے کیا جائے گا۔ مجوزہ مقالے میں تواریخ ادب کے تقابل کے دوران تکنیک، اسلوب اور ماخذات کو مد نظر رکھا جائے گا۔ مجوزہ مقالے میں تواریخ کا تقابل زمانی تعین کے ذریعے کیا جائے گا تقابل کے لیے معیار اور مقدار

دونوں کو مد نظر رکھا جائے گا۔ تواریخ میں سے تقابل کے لیے جو حصہ متعین کیا گیا ہے، وہ آغاز سے 1900 تک کی تاریخ اردو ادب تک ہے۔

3-مقاصدِ تحقیق:

1. ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کا جائزہ لینا۔
2. ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کی بنیاد پر جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کا جائزہ لینا۔
3. منتخب ادبی تواریخ میں اسلوب، تکنیک اور ماخذات کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے منتخب تواریخ کے مقام کا تعین کرنا۔
4. منتخب تواریخ ادب اردو کی علمی و تحقیقی اہمیت سے آگاہی حاصل کرنا۔

4- تحقیقی سوالات :

1. ادبی تاریخ نویسی کے اصول کیا ہیں؟
2. جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو میں ادبی تاریخ نویسی کے کون سے اصول اپنائے گئے ہیں؟
3. اسلوب، تکنیک اور ماخذات کے حوالے سے منتخب ادبی تواریخ کا معیار اور ادبی مقام کیا ہے؟
4. کون سی ادبی تاریخ ڈاکٹر جمیل جالبی کی ادبی تاریخ اور ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں پر پوری اترتی ہے اور کیوں؟

5- نظری دائرہ کار :

تاریخ نویسی میں جو عناصر اہم سمجھے جاتے ہیں وہ واقعات کی جانچ اور پھر مورخ کا بیان اور تنقید، کیوں کہ واقعات کو سنین کے لحاظ سے بیان کر دینا تاریخ نہیں ۔ ان واقعات کی وضاحت اور اس کے نتائج کا ذکر کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اس لیے ایک تاریخ نگار کو تاریخ نویس محقق اور نقاد ہونا بھی بہت ضروری ہے۔

تاریخ ہی وہ بنیادی کڑی ہے جس کے ذریعے انسان کا تاریخی شعور پروان چڑھتا ہے۔ اس حوالے سے ہم اگر تواریخ اور خاص طور پر اردو ادب کی تواریخ کا جائزہ لیں تو ادب کے ارتقا کے ساتھ معاشرے اور سماجی حالات کا بیان

بھی ملتا ہے۔ تواریخ اردو ادب میں ادب کے ارتقا کی تاریخ کے ساتھ ساتھ معاشرے کے حالات کا بیان اور اس کے ادب پہ اثرات کا بیان بھی کیا گیا ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر عامر سہل اپنے مقالے "ادبی تاریخ کیا ہے ؟" میں لکھتے ہیں کہ جمیل جالبی کا تصورِ تاریخِ ادب نہایت وقیع حیثیت کا حامل ہے۔ادبی تاریخ کے نظریے ابتدا سوانحی بیان سے ہوئی پھر اس میں تنقیدی عنصر اور سماجی معاشی شعور بھی شامل ہوا۔اس میں کلچر کا شامل کرنے کا سہرا ڈاکٹر جمیل جالبی کے سر ہے۔ وہ ادبی تاریخ کو تثلیث قرار دیتے ہیں جس میں تحقیق، کلچر اور تنقید شامل ہیں۔ شاکر کنڈان اپنے مضمون "ادبی تاریخ نویسی کے اصول " میں ادبی تاریخ کے چند اصول وضع کرتے ہیں وہ یہ ہیں: تسلسل، عصری صورت حال،تاریخی اظہار، تناظرات کی عکاسی، زماں و مکاں کا بعد،اپنے عہد کی زندہ روایات اور اقدار، نگارشات کے نمونے، وضاحت، پیرایۂ تحریر، دستاویزات وماخذات، تنقید کی اہمیت،ادوار اور اصناف کی تقسیم شامل ہیں۔

مجوزہ مقالے کا مقصد تواریخ کا آپس میں تقابل ہے۔ تقابل میں دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا آپس میں تقابل کر کے ان میں اشتراکات وافتراقات کا تعین کر کے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ تواریخ کے تقابل کے لیے چار کتابوں کو مختص کیا۔اس مقالے میں اردو ادب کی تین تواریخ کا تقابل ڈاکٹر جمیل جالبی کی "تاریخ ادب اردو" سے کیا جائے گا کیوں کہ پاکستان میں تواریخ اردو ادب میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحریر کردہ تاریخ کو سب سے زیادا اہم مانا جاتا ہے۔ تقابل کے لیے سوزن بیسنیٹ کی کتاب "تقابلی ادب ایک تنقیدی جائزہ"، "اردو کی ادبی تاریخیں" از ڈاکٹر گیان چند سے استفادہ کیا جائے گا۔

6- تحقیقی طریقہ کار:

مجوزہ تحقیق کا موضوع ادبی تواریخ کا تقابل ہے۔اس موضوع پر تحقیق کے لیے دستاویزی طریقہ تحقیق سے کام لیا جائے گا۔تاریخ کی کتابوں تک رسائی حاصل کی جائے گی۔ مجوزہ تحقیق کا موضوع چونکہ منتخب ادبی تواریخ کے تقابل پر مشتمل ہے اس لیے سب سے پہلے منتخب ادبی تواریخ کی کتب تک رسائی حاصل کی جائے گی۔اس کے علاوہ تاریخ ادب اردو کے حوالے سے لکھی جانے والی دیگر تمام کتب تک رسائی حاصل کی جائے گی۔ مجوزہ موضوع کے عمومی مباحث کے لیے ثانوی مآخذات سے بھرپور استفادے کی کوشش کی جائے گی۔تاریخ کے حوالے سے معاصر ادبی جریدوں میں شائع ہونے والے تحقیقی و تنقیدی مضامین سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔

مجوزہ تحقیقی موضوع کیفیتی طریقہ کار کو اپناتے ہوئے منتخب کیا گیا ہے۔اس کے لیے تاریخ سے متعلقہ کئی موضوعات دیکھے گئے اور پھر ان تمام موضوعات میں سے تواریخ کے حوالے سے موضوع کا انتخاب کیا گیا۔ تواریخ کے حوالے سے بہت سے موضوعات کا جائزہ لیا گیا اور پھر ان تمام موضوعات میں سے منتخب تواریخ ادب اردو کے تقابل کے موضوع کا انتخاب کیا گیا۔اس کے بعد تحقیق کے جواز کو مد نظر رکھتے ہوئے مقاصد تحقیق کو تحریر کیا۔ تحقیقی سوالات تحریر کیے گئے۔ مقاصد تحقیق اور تحقیقی سوالات کو مد نظر رکھ کر نظری دائرہ بنایا گیا، جس کے لیے ادبی تاریخ نویسی کے حوالے سے مختلف کتب سے رہنمائی لی گئی۔ تحقیقی سوالات، تحقیقی مقاصد اور نظری دائرہ کار کو سامنے رکھ کر ابواب بندی کی گئی ہے۔ مجوزہ تحقیقی موضوع پر کام کرتے ہوئے انہی تحقیقی مقاصد، تحقیقی سوالات، نظری دائرہ کار اور ابواب بندی کو سامنے رکھتے ہوئے مقالے کی تکمیل کی جائے گی۔

مجوزہ تحقیقی موضوع کے مواد کی جمع آوری کے لیے مختلف کتب خانوں کا دورہ کیا جائے گا اس حوالے سے مختلف جامعات کے کتب خانوں کا دورہ کیا جائے گا ۔ اس کے علاوہ آن لائن مستند ویب گاہوں جیسے www.rekhta.com, www.urdupoint.com , www.hec.com , www.hamariweb.com سے بھی موضوع کے متعلق مواد کی جمع آوری میں راہنمائی لی جائے گی۔

مواد کی جمع آوری کے بعد تجزیاتی طریقہ کار کو اپناتے ہوئے سارے مواد کو ترتیب دیا جائے گا، مجوزہ موضوع کے مطابق تواریخ کا تقابل کیا جائے گا اور پھر اس کے نتائج مرتب کئے جائیں گے۔

7-مجوزہ موضوع پر ماقبلِ تحقیق:

تاریخ کے حوالے سے مختلف نوعیت کے تحقیقی کام کیے گئے ہیں۔ علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی میں ایم-فل کی سطح پر ایک مقالہ "تواریخ اردو ادب کا تقابلی مطالعہ" مقالہ نگار شوکت عباس نے 1999 میں مکمل کیا ہے۔ مگر یہ مقالہ قدیم اردو اور انگریزی تواریخ پر مشتمل ہے جس میں ان تواریخ کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اس مقالے کے سات ابواب ہیں پہلے باب میں اردو ادب اور تاریخ پر مفصل بحث شامل ہے، دوسرے باب میں تاریخ اور تذکرہ نگاری کی اہمیت پر بات کی گئی ہے۔اس باب میں تذکروں کا تقابلی مطالعہ بھی کیا گیا ہے۔ تیسرا باب جدید تذکروں کے جائزہ پر مشتمل ہے۔ چوتھا باب اردو ادب کی مختصر تواریخ جو انگریزی میں لکھی گئی ہیں ان کا تقابلی مطالعہ پر مشتمل ہے

۔ پانچواں باب مختصر تواریخ ادب اردو کے تقابلی مطالعہ کے عنوان سے ہے جس میں سات مختصر تواریخ شامل ہیں۔ چھٹا باب بسیط تواریخ اردو ادب کا تقابلی مطالعہ کے عنوان سے ہے، جس میں 9 بسیط تواریخ کا تقابلی مطالعہ شامل ہے ۔ مگر اس باب میں کوئی باقاعدہ تقابل نہیں کیا گیا بلکہ تواریخ کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے ۔ ساتواں باب دیگر ادبی تواریخ کا مطالعہ ہے جس میں دیگر ادبی تواریخ کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اس مقالے میں تقریباً تمام گزشتہ ادبی تواریخ کا احاطہ کیا گیا مگر جس طرح اس کا موضوع ادبی تواریخ تقابلی مطالعہ ہے اس طرح تقابل نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس مقالے میں تواریخ کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا اور آخر میں دو صفحوں پر مختصراً نتائج بیان کیے گئے ہیں۔ مجوزہ مقالے میں ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے منتخب تواریخ کا جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کے ساتھ تکنیک، اسلوب اور ماخذات کے حوالے سے تقابل کیا جائے گا۔

پنجاب یونیورسٹی سے "اردو ادب کی تواریخ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ" کے موضوع پر بھی کام ہوا ہے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں ایم۔فل کی سطح پر ایک مقالہ "تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر جمیل جالبی) کا تجزیاتی مطالعہ" کے عنوان سے وقار منیر نے 2018 میں کیا۔اردو ادب کی انگریزی تواریخ کا تقابلی مطالعہ پر پنجاب یونیورسٹی میں مقالہ لکھا گیا ہے مگر اس سے قبل اردو ادب کی منتخب تواریخ کا تقابل ڈاکٹر جمیل جالبی کی مفصل تاریخ ادب اردو سے نہیں کیا گیا سو یہ اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے۔

ادبی تاریخ نویسی کے حوالے سے ہمیں ادب میں زیادہ کتب کا حوالہ نہیں ملتا۔اس حوالے سے "ادبی تاریخ نویسی" مرتبین ڈاکٹر سید عامر سہیل، نسیم عباس احمر۔ڈاکٹر گیان چند جین کی کتاب "اردو ادب کی تاریخیں" اہمیت کی حامل ہیں۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں حصہ اول: ادبی تاریخ نویسی :اصول اور تقاضے، حصہ دوم اردو کی اہم ادبی تاریخ :ایک مطالعہ، حصہ سوم :اردو ادب کی تواریخ۔۔۔ایک سرسری جائزہ۔ یہ کتاب مختلف محققین اور ناقدین کے ادبی تاریخ نویسی پر مضامین پر مشتمل ہے جس میں 31 مضامین شامل ہیں۔

8-تحدید:

مجوزہ موضوع پر تحقیق میں یہ تحقیقی کام آغاز سے 1900 تک اردو ادب کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ اس حوالے سے آغاز تا 1900 اردو ادب کی تواریخ کا تقابل کرنا مقصود ہے۔اس مقالے میں اردو کی تین منتخب تواریخ

"اردو ادب کی مختصر تاریخ" از ڈاکٹر انور سدید، "اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" از ڈاکٹر سلیم اختر اور "اردو ادب کی تاریخ ابتدا سے 1757 تک" از ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا تقابل ڈاکٹر جمیل جالبی کی "تاریخ ادب اردو" سے کیا جائے گا۔

9-پس منظری مطالعہ:

موضوع تحقیق کی روشنی میں تقابل کے حوالے سے شائع ہونے والے تحقیقی و تنقیدی مضامین و کتب کا مطالعہ شامل ہے۔اس کے علاوہ تاریخ اور تاریخ ادب اردو کے حوالے سے کتب، مضامین اور آرٹیکلز کا مطالعہ بھی شامل ہے۔ جن میں "اردو ادب کی تاریخیں (تنقید و تجزیہ) مرتب ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی، "اردو کی ادبی تاریخیں" ڈاکٹر گیان چند شامل ہیں۔

اس موضوع پر سلمان احمد کی کتاب "اردو کی ادبی تاریخیں - نظری مباحث" کسی حد تک اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں ان مضامین کو شامل کیا گیا ہے جو ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کی وضاحت کرتے ہیں۔ تاہم یہاں بھی ایک مسئلہ یہ درپیش رہا کہ ادبی تاریخ نویسی کے جدید تحقیقی، تنقیدی اور تاریخی تناظرات پر بات تشنہ رہ گئی۔ اس کے علاوہ "ادبی تاریخ نویسی" مرتبین ڈاکٹر سید عامر سہیل، نسیم عباس احمر کی کتاب بھی شامل ہے۔اس کتاب کے تین حصے ہیں حصہ اول: ادبی تاریخ نویسی: اصول اور تقاضے کے عنوان کے تحت ہے۔ جس میں بیس مضامین شامل ہیں ،حصہ دوم اردو کی اہم ادبی تاریخ: ایک مطالعہ ہے جس میں تین اہم ادبی تاریخوں پر پانچ اہم مضامین شامل ہیں۔ حصہ سوم: اردو ادب کی تواریخ۔۔ایک سرسری جائزہ جس میں بارہ تاریخوں کے دیباچوں اور مقدموں سے ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کو اخذ کرنے کے کوشش کی گئی ہے۔ڈاکٹر عامر سہیل / نسیم عباس احمر اپنے مضمون ادبی تاریخ کیا ہے میں لکھتے ہیں "ادبی تاریخ محض کسی مخصوص دور کے زمانی حوالوں کو مربوط کرنے کا نام نہیں رہا بلکہ ادبی تاریخ معاصر حالات و واقعات ، مصنفین کے سوانحی خاکوں ، ان کی تحریروں اور فن پاروں کو اس طرح Interpret کرتی ہے کہ سماجی تغیر و سماجی شعور، ثقافتی تنظیم، متغیر جمالیاتی، ادبی و علمی اقدار، کسی تخلیق کار کے فن پارے میں تعبیری اور تجزیاتی سطحوں پر کس طور اثر انداز ہوئے۔"

ڈاکٹر عامر سہیل / نسیم عباس احمر اپنے مضمون ادبی تاریخ کیا ہے میں لکھتے ہیں کہ جمیل جالبی کا تصور تاریخ ادب نہایت وقیع حیثیت کا حامل ہے۔ادبی تاریخ کے نظریے ابتدا سوانحی بیان سے ہوئی پھر اس میں تنقیدی عنصر اور سماجی معاشی شعور بھی شامل ہوا۔اس میں کلچر کو شامل کرنے کا سہرا ڈاکٹر جمیل جالبی کے سر ہے۔وہ ادبی تاریخ کو تثلیث قرار دیتے ہیں جس میں تحقیق، کلچر اور تنقید شامل ہیں۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری اپنے مضمون "ادبی تاریخ کی تشکیل نو کے مسائل" میں لکھتے ہیں کہ اردو ادب کی تاریخ نویسی کا سب سے افسوس ناک پہلو یہ رہا ہے کہ ادبی تاریخ کے کسی بھی مورخ نے یہ زحمت گوارا نہیں کی کہ وہ جس منصوبے پر کام کر رہا ہے، اس منصوبے کے اصولوں، دائرہ کار، مسائل اور مشکلات وغیرہ کے بارے میں مختصراً یا تفصیل کے ساتھ اپنے نقطہ نظر ہی کو قلم بند کر دے۔

شاکر کنڈان اپنے مضمون "ادبی تاریخ نویسی کے اصول" میں ادبی تاریخ کے چند اصول وضع کرتے ہیں وہ یہ ہیں: تسلسل، عصری صورت حال، تاریخی اظہار، تناظرات کی عکاسی، زماں و مکاں کا بعد، اپنے عہد کی زندہ روایات اور اقدار، نگارشات کے نمونے، وضاحت، پیرایۂ تحریر، دستاویزات و ماخذات، تنقید کی اہمیت، ادوار اور اصناف کی تقسیم۔اس کے علاوہ ادبی تاریخ نویسی کے حوالے سے ڈاکٹر گیان چند جین کی کتاب "اردو کی ادبی تاریخیں" اہمیت کی حامل ہے۔یہ کتاب اردو کی ادبی تاریخوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ہے۔اس کتاب میں تقریباً 41 تواریخ کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں تواریخ کے معائب و محاسن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ان کے تسمیحات کی نشان دہی دوسرے محقیقین کے حوالے سے بھی کی گئی ہے۔اردو ادب کی تاریخوں کے حوالے اس کتاب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کتاب میں دیگر ادبی تواریخ کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر جمیل جالبی "تاریخ ادب اردو"، ڈاکٹر انور سدید: "اردو ادب کی مختصر تاریخ" اور ڈاکٹر سلیم اختر: "اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" کی تواریخ کے حوالے سے بھی مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں صرف عمومی کتب کا جائزہ پیش کیا ہے۔ادبی تاریخوں کے دو نمایاں پہلو ہیں تحقیق اور تنقید۔اس کتاب میں ڈاکٹر گیان چند نے تحقیقی پہلو کو مد نظر رکھا ہے۔

10- تحقیق کی اہمیت:

اردو زبان و ادب کو پڑھنے اور سمجھنے میں تواریخ اردو ادب کا اہم کردار ہے۔ تواریخ اردو ادب کے ذریعے ہی ہم اردو کے ارتقا کے مراحل اور ترقی سے آشنا ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر عامر سہیل/ نسیم عباس احمر اپنے مضمون ادبی تاریخ کیا ہے میں لکھتے ہیں "ادبی تاریخ محض کسی مخصوص دور کے زمانی حوالوں کو مربوط کرنے کا نام نہیں رہا بلکہ ادبی تاریخ معاصر حالات و واقعات ، مصنفین کے سوانحی خاکوں ، ان کی تحریروں اور فن پاروں کو اس طرح Interpret کرتی ہے کہ سماجی تغیر و سماجی شعور، ثقافتی تنظیم، متغیر جمالیاتی، ادبی و علمی اقدار، کسی تخلیق کار کے فن پارے میں تعبیری اور تجزیاتی سطحوں پر کس طور اثر انداز ہوئے۔" اردو ادب کی تواریخ میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحریر کردہ تاریخ ادب اردو کو مستند مانا جاتا ہے۔ اس تحقیق کے ذریعے ہم اس بات سے آشنا ہو سکیں گے کہ اردو کی دوسری تواریخ میں کون سی تاریخ ادب ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ کے زیادہ قریب تر ہے۔

ب۔ بنیادی مباحث- تاریخ اور ادبی تاریخ نویسی:

1) تاریخ نویسی اور اس کے اصول

عام طور پر تاریخ کا لفظ ماضی کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتا ہے ہر گزرتا ہوا لمحہ تاریخ کا حصہ بنتا چلا جاتا ہے ۔ ہر آنے والا لمحہ موجودہ لمحے کو ماضی بنا دیتا ہے اور اس لمحے میں رونما ہونے والے واقعات تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ان واقعات میں تسلسل ہوتا ہے اور ماضی میں ہونے والے اس مسلسل عمل کے بیان کو تاریخ نویسی کہا جاتا ہے۔

تاریخ ماضی کے واقعات کے بیان کا نام ہے یا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ علم کی وہ شاخ ہے جو ماضی کے واقعات کو محفوظ کرتی ہے اور ان کی وضاحت کرتی ہے۔ ایسے اہم واقعات کا ریکارڈ جو قوموں کو متاثر کرتے ہوں تاریخ کہلاتے ہیں۔

قاسم یعقوب نوتاریخیت (منتخب اردو مقالات)،تاریخ اور نوتاریخیت میں تاریخ کے بارے میں کچھ یوں لکھتے ہیں "عام طور پر تاریخ کو ماضی کے واقعات کا مجموعہ قرار دیا جاتا ہے جس میں سماجی اداروں کے جملہ اعمال،ان کی ابتدا ونشوونما، ترقی و تنزلی کے واقعات درج ہوتے ہیں۔تاریخ کے اندر وہ سب کچھ ہوتا ہے جو ماضی میں بیت گیا ہے"۔

تاریخ وقت کے ساتھ ہونے والی تبدیلی اور اس کے اثرات کے مطالعہ کا نام ہے۔تاریخ انسانی معاشرے کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ سیاسی، سماجی،اقتصادی، سائنسی، تکنیکی، طبّی، ثقافتی، فکری، مذہبی اور عسکری تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سمو کر بیان کرتی ہے۔ یہ معاشرہ، جس میں ہم رہتے ہیں، ہر لمحہ ترقی پذیر ہے اور یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ارتقا کے اس سفر کا بیان تاریخ کہلائے گا۔تاریخ ہمیں گزرے ہوئے زمانے میں رونما ہونے والے واقعات کا پتا دیتی ہے۔ ہم تاریخ کے ذریعے ماضی میں جھانک سکتے ہیں اور ماضی کی مکمل تصویر دیکھ سکتے ہیں۔تاریخ بنیادی طور پر ہمہ جہت معانی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ ایک مسلسل ارتقا کا عمل ہے جو بے شمار پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے،اس میں ہم انسانوں کی مسلسل کاوشوں کا بیان یا مادی ترقی کے عمل مسلسل کا بیان اور اس عمل مسلسل میں حصہ لینے والے کرداروں کا بیان کرتے ہیں۔اس کے کردار فرد واحد سے شروع ہوتے ہیں اور گروہ بن جاتے ہیں اور یہی گروہ معاشرہ، قوم و ملک بنتا ہے جہاں نسلیں پروان چڑھتی اور یوں یہ مجموعی ارتقا کا عمل ہوتا ہے،اس ارتقا کا حقیقی بیان تاریخ بن جاتا ہے

تاریخ تو ماضی کے واقعات کا بیان ہے مگر اس کے تناظرات مختلف ہوتے ہیں یعنی عمومی تاریخ کی کئی اقسام ہو سکتی ہیں مثلاً موضوع کے اعتبار سے: سیاسی تاریخ، سماجی تاریخ، مذہبی تاریخ،افکار کی تاریخ، مقامی تاریخ،ادبی تاریخ وغیرہ۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی حوالے سے کسی بھی مخصوص موضوع کے حوالے سے ماضی میں پیش آنے والے واقعات کا تسلسل سے بیان تاریخ نویسی کہلائے گا۔تاریخ ہمیں ماضی میں ہونے والے واقعات کا پتا دیتی ہے اس لیے تاریخ کا درست ہونا انتہائی اہم ہے اس کے لیے تاریخ مورخ کا تاریخ نویسی کے اصولوں کو مد نظر رکھنا لازم ہے۔

عمومی طور پر تاریخ نویسی کے لئے جن اصولوں کو مد نظر رکھا جاتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1) تاریخ نویسی کے لیے موضوع کا انتخاب اور موضوع کی تحدید پہلا قدم ہے۔

2) تاریخ نویسی کے لیے منتخب موضوع کے حوالے سے ماخذات کے رسائی تاریخ نویسی کا بنیادی اصول ہے۔ماخذات میں بنیادی وثانوی دونوں ماخذات اہمیت کے حامل ہیں۔

3) تاریخ نویسی میں واقعات کے بیان کے لیے مورخ کو واقعات کے ربط و تسلسل کو مد نظر رکھنا چاہیے اور وقت کے ساتھ ساتھ ہونے تبدیلی کو بھی بیان کرنا چاہیے۔

4) تاریخ نویسی کے دوران تاریخی ترتیب کو مد نظر رکھیں سنین کے درست اندراج کا خاص خیال رکھنا لازم ہے۔

5) کسی بھی طرح کا مواد جس کو مد نظر رکھتے ہوئے تاریخ نویسی کی جائے اس کا مکمل حوالہ دیا جانا ضروری ہے۔

6) تاریخ نویسی میں زاتی رائے اور تعصب کے بغیر واقعات کو غیر جانبداری سے بیان کیا جائے۔

7) اہم شخصیات، واقعات، اقوامی یا عالمی واقعات کی تاریخوں کو ضرور شامل کریں۔

8) تاریخ نویسی کے لیے مورخ کو سادہ اور صاف زبان کا استعمال کرنا چاہیے۔

2) ادبی تاریخ نویسی اور اس کے اصول

ادب زندگی کا عکاس ہے۔ کسی بھی معاشرے کے افراد کے اجتماعی وانفرادی حالات کا بیان، ان کے انداز واطوار اور ان کے افکار کا بیان ان کی زندگی کی عکاسی کرتا ہے اور زندگی کی اس عکاسی کو ادب کا نام دیا جاتا ہے۔ معاشرہ افراد کے مجموعے سے تکمیل پاتا ہے۔ کسی بھی معاشرے میں تمام افراد اس کی بنیادی اکائی ہوتے ہیں۔ انسان کو معاشرتی حیوان بھی کہا جاتا ہے معاشرے کی ترویج میں تمام افراد اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

جب فرد سے معاشرہ بنتا ہے تو معاشرے کے تمام افراد کی زندگی پر اس معاشرے میں ہونے والی تبدیلیاں ،موسم ،معیشت ،امن ، تعلیم ، جنگ اور ترقی و تنزلی غرض ہر چیز اثر انداز ہوتی ہے ان تمام تبدیلیوں کا بیان اگر معاشرے کے افراد کے جذبات واحساسات کے حوالے سے کیا جائے تو اسے ادب کہا جائے گا۔ فرد، جو معاشرے کی بنیادی اکائی ہے، جب معاشرے میں رہتا ہے تو معاشرے پر اور معاشرہ اس پر اثر انداز ہوتا ہے ۔ مگر ایک ادیب عام

لوگوں سے ہٹ کر ان تبدیلیوں کو محسوس کر سکتا ہے اور بیان کر سکتا ہے کیوں کہ ادیب معاشرہ کے حساس طبقے سے تعلق رکھتا ہے اس لیے جب ادیب لکھتا ہے تو حالات و واقعات کے بیان کے ساتھ ساتھ اپنے جذبات واحساسات کا بیان بھی کرتا ہے۔یوں ہم یہ کہ سکتے ہیں کی کسی بھی معاشرے میں ہونے والی تبدیلیوں اور ان کے اثرات کا بیان ہمیں ادب میں ملے گا۔"ادب" عربی زبان کا لفظ ہے جو ہمہ جہت معنی رکھتا ہے۔ فیروزاللغات اردو کے مطابق:"وہ علم زبان جس میں نحو، لغت، عروض،انشا، معنی اور بیان شامل ہو وہ ادب کہلائے گا۔"(1)

نوراللغات میں ادب کو"ہر شے کا انداز اور حد نگاہ رکھنا، اچھی روش، قائدہ، ایک ایسا علم جس کے جاننے سے کسی زبان کے بولنے میں لغزش اور خطا واقع نہیں ہوتی۔" کہا گیا ہے۔(2) اردو لغت (تاریخی اصول پر) کے مطابق ادب " نظم و نثر اور ان کے متعلقات (معانی، بیان، بدیع، عروض، قافیہ وغیرہ)، لیٹریچر زبان" کے بیان کو کہتے ہیں۔(3)

According to CAMBRIDGE ENGLISH DICTNORY:

> “Literature is written artistic work especially with a high and lasting artistic value; classical\modern literature”(4)

یوں ہم کہ سکتے ہیں کہ ادب ایک تحریری فن ہے خاص طور پر ایسا تحریری فن جو اعلیٰ اور دیرپا فن کارانہ خصوصیات کا حامل ہو: کلاسیکل یا جدید۔ادب ایک فن ہے جو ہر دور میں اپنی اہمیت کے ساتھ موجود رہتا ہے اور معاشرے کا بہترین عکاس بھی ہے۔ادب انسان کی سوچ اور اس کے نظریات کا عکاس ہوتا ہے مگر ادب کا تعلق براہ راست انسانی زندگی سے ہے۔ادب دراصل زندگی کی وہ تصویر ہے اور وہ کہانی ہے جو ہم سب سے وابستہ ہے مگر اسے ہم ادیب کی منہ زبانی سننا اور اس کی تحریروں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔زندگی میں ہونے والی تبدیلیاں ادب پر بھی اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ادب ایک سماجی عمل ہے جو لفظ، زبان اور تخلیقات سے بالواسطہ زندگی پر اثرانداز ہوتا ہے۔ادب قوموں اور سماج پر اثرانداز ہوتا ہے اور بعض اوقات اس سے انقلابی تبدیلیاں بھی رونما ہوتی ہیں۔ادب دراصل کسی بھی عہد

کا تحریری بیان یا تصویر ہے یوں ادب ہمیں معلومات بھی فراہم کرتا ہے اور جذبات کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"ادب جذبہ اور علم کی درمیانی خلیج کو پاٹنے اور انسان کو داخلی طمانیت عطا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔"(5)

ڈاکٹر اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر علی محمد خاں لکھتے ہیں: ادب کی آسان ترین تعریف یہ ہے کہ "اپنے خیالات و احساسات اور افکار کے باسلیقہ اظہار کا نام ادب ہے۔"(6)

ادب ایک ایسا فن ہے جو معاشرے میں رونما ہونے والے واقعات کا شائستہ بیان ہے جو مختلف اصناف کی صورت میں اپنے عہد کی عکاسی انسانی جذبات کے تناظر میں کرتا ہے۔ ہر گزرتا ہوا لمحہ آنے والے لمحے میں ماضی کا حصہ بن جاتا ہے اور ایسے ہی ہر گزرتے ہوئے لمحے میں ہونے والے واقعات بھی ماضی کا حصہ بن جاتے اور ماضی میں رونما ہونے والے حالات و واقعات کا بیان تاریخ کہلاتا ہے۔ مختلف لغات میں تاریخ کے معنی یوں بیان کیے گئے ہیں ۔ جہانگیر اردو لغت (جامع ترین) کے مطابق "جنتری کی رو سے کسی دن کا عدد شمار؛ روئداد، سرگزشت؛ کسی چیز یا واقع کے ظہور کا وقت؛ گزشتہ زمانے کی تحقیق و تالیف کا علم "تاریخ کہلاتا ہے۔ (7) اردو لغت (تاریخی اصول پر) کے مطابق "1۔ کسی چیز کے ظہور کا وقت ظاہر کرنا، کسی امر عظیم کے وقت کا تعین کرنا، 2۔ گزشتہ واقعات کی تاریخ، 2؛ اس فن کا نام ہے جس میں واقعاتِ گزشتہ سے بحث کی جاتی ہے۔ تاریخ؛ واقعات یا حالات کا تذکرہ۔ بادشاہوں اور نامور آدمیوں کے تحریری حالات، کسی انسان کی زندگی کا حاصل "تاریخ ہے۔(8)

According to Merriam Webster dictionary:

> "History is dealing with 'a; a chronological record of significant events (such as those affecting a nation) often including an explanation of their causes, b; events of past c; a branch of knowledge

that records and explains past events ،d; an established record.” (9)

تاریخ ماضی کے واقعات کے بیان کا نام ہے یا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ علم کی وہ شاخ ہے جو ماضی کے واقعات کو محفوظ کرتی ہے اور ان کی وضاحت کرتی ہے۔ ایسے اہم واقعات کا ریکارڈ جو قوموں کو متاثر کرتے ہوں تاریخ کہلاتے ہیں۔

قاسم یعقوب نوتاریخیت (منتخب اردو مقالات)، تاریخ اور نوتاریخیت میں تاریخ کے بارے میں کچھ یوں لکھتے ہیں "عام طور پر تاریخ کو ماضی کے واقعات کا مجموعہ قرار دیا جاتا ہے جس میں سماجی اداروں کے جملہ اعمال، ان کی ابتدا ونشوونما، ترقی و تنزلی کے واقعات درج ہوتے ہیں۔ تاریخ کے اندر وہ سب کچھ ہوتا ہے جو ماضی میں بیت گیا ہے"۔(10)

تاریخ وقت کے ساتھ ہونے والی تبدیلی اور اس کے اثرات کے مطالعہ کا نام ہے۔ تاریخ انسانی معاشرے کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ سیاسی، سماجی، اقتصادی، سائنسی، تکنیکی، طبّی، ثقافتی، فکری، مذہبی اور عسکری تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سمو کر بیان کرتی ہے۔ یہ معاشرہ، جس میں ہم رہتے ہیں، ہر لمحہ ترقی پذیر ہے اور یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ارتقا کے اس سفر کا بیان تاریخ کہلائے گا۔ تاریخ ہمیں گزرے ہوئے زمانے میں رونما ہونے والے واقعات کا پتا دیتی ہے۔ ہم تاریخ کے ذریعے ماضی میں جھانک سکتے ہیں اور ماضی کی مکمل تصویر دیکھ سکتے ہیں۔ تاریخ بنیادی طور پر ہمہ جہت معانی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ ایک مسلسل ارتقا کا عمل ہے جو بے شمار پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے، اس میں ہم انسانوں کی مسلسل کاوشوں کا بیان یا مادی ترقی کے عمل مسلسل کا بیان اور اس عمل مسلسل میں حصہ لینے والے کرداروں کا بیان کرتے ہیں۔ اس کے کردار فرد واحد سے شروع ہوتے ہیں اور گروہ بن جاتے ہیں اور یہی گروہ معاشرہ، قوم و ملک بنتا ہے جہاں نسلیں پروان چڑھتی اور یوں یہ مجموعی ارتقا کا عمل ہوتا ہے، اس ارتقا کا حقیقی بیان تاریخ بن جاتا ہے۔ ڈاکٹر خرم قادر اس حوالے سے لکھتے ہیں؛

"ایسے عمل مسلسل کو، جس میں بتدریج تغیر پایا جاتا ہو، ارتقا کہتے ہیں تاریخ کے حوالے سے
جب ماضی میں ارتقا پایا جاتا ہو، تو ارتقا کی منازل یا نمایاں واقعات تاریخ کہلاتے ہیں۔ اس
لحاظ سے تاریخ کا لفظ ماضی کے ارتقا کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔" (11)

تاریخ ارتقا کا عمل تو ہے لیکن ارتقا کے اس عمل میں تسلسل کا ہونا بھی بہت ضروری ہے کہ ایک واقعہ دوسرے واقعے سے مربوط ہونا چاہیے۔ تاریخ میں بے ترتیب واقعات کا بیان نہیں ہوتا بلکہ تاریخ ایک ایسی زنجیر ہے جس کی کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے اور اگر کہیں وہ کڑی ٹوٹتی ہے تو تاریخ کو سمجھنے میں ابہام پیدا ہو جائے گا اور یوں تاریخ کا تسلسل ٹوٹے گا۔ تاریخ دراصل حقائق کی تلاش کا عمل ہے اور جب تسلسل قائم نہیں رہتا تو حقائق تک رسائی بھی ممکن نہیں ہے اس لیے تاریخ کے واقعات میں ربط کا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ اسی سلسلے میں علی جواد زیدی اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"تاریخ صرف زمانی اعتبار سے واقعات کو جمع کرنے کا نام نہیں ہے ہر واقعہ وقت کی قید میں
ہے واقعات تاریخ صرف اسی وقت بنتے جب واقعات کو سمجھ کر ان کو آپس میں مربوط
کر کے ارتقا کے مسلسل عمل کی نشاندہی کی جائے۔" (12)

According to Encyclopedia Britannica;

> "Historiography, the writing of history, especially based on critical examination of sources, the selection of particular details from the authentic material in those sources, and synthesis of those details into a narrative that stands the test of critical examination. The term historiography also refers to the theory and history of historical writings." (13)

اس کائنات میں موجود جو بھی چیزیں ہیں وہ زماں و مکاں کی پابند ہیں اور زمان و مکاں کی پابندی کے ساتھ مسلسل ارتقا پذیر ہیں۔ زماں و مکاں کی یہی دوری تاریخ بناتی ہے اسی سے معاشرے کا ارتقائی سفر شروع ہوتا ہے۔ معاشرے کے ارتقا میں بہت سے عوامل اپنا کردار ادا کرتے ہیں جن میں ماضی، حال، مستقبل، یکسانیت و اختلاف جدت و قدامت، روایت اور بغاوت اور ان تمام عوامل کے ساتھ معاشرہ ارتقا پاتا ہے اور ارتقا کے اس سفر کا بیان تاریخ بن جاتا ہے۔

تاریخ کو ہم یاداشت اور ماضی کے حالات سے آشنائی کا بیان بھی کہہ سکتے ہیں۔ جو قومیں اپنی تاریخ سے ناآشنا ہوں وہ بھولی بھٹکی قومیں کبھی ترقی نہیں کر سکتیں کیوں کہ اگر ہمارا کوئی ماضی نہیں ہے تو یقیناً ہمارا کوئی مستقبل بھی نہیں ہے۔ کسی بھی قوم کی ترقی میں اس کی تاریخ کا بڑا کردار ہوتا ہے۔ قومیں اپنے ماضی سے بہت کچھ سیکھتی ہیں اور ماضی کے حالات و واقعات سے سبق حاصل کرتی ہیں۔ وہ مسائل جن کا ان کو ماضی میں سامنا کرنا، پڑا مستقبل میں اس سے بچنے کے لیے خود کو تیار کرتے ہیں۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ کسی بھی قوم کی ترقی میں بنیادی کڑی کی حیثیت رکھتی ہے۔

تاریخ بہت اہمیت کی حامل ہے کیوں کی تاریخ سے ہمیں اپنے بارے میں جاننے کا موقع ملتا ہے کہ ہم کون ہیں اور ہم کیا تھے۔ دراصل تاریخ انسانیت کی اجتماعی یاداشت کا نام ہے جو نئے آنے والوں کو معاشرے کو بارے میں آگاہی اور سمجھ بوجھ عطا کرتی ہے۔ اس سے کسی بھی قوم کو اپنے اجداد کے افکار کردار اور روایات کو جاننے کا موقع ملتا ہے اور وہ تاریخ کے ذریعے اپنے اجداد اور اعلیٰ معیارات سے جڑے رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ تاریخ کے ذریعے ایسی باتوں سے سبق بھی حاصل کرتے ہیں جن کی وجہ سے ان کے اجداد نے ناکامی کا سامنا کیا ہو۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کی تاریخ کسی بھی قوم کی راہنمائی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ ماضی میں رونما ہونے والے واقعات کا مجموعہ تاریخ کہلاتا ہے جس میں سماجی اداروں کا معاشرے میں کردار، معاشرے کی نشو و نما، ترقی و تنزلی ہر پہلو کا بیان شامل ہوتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ سب کچھ جو ماضی میں بیت گیا وہ تاریخ کہلائے گا۔

تاریخ ماضی میں گزرنے والے واقعات کے بیان کو کہتے ہیں۔ادب ایک ایسی تحریر ہے جو زندگی کے تمام پہلو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ادب اور تاریخ دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔کیوں کہ ادب معاشرے کا عکاس ہے اور تاریخ معاشرے کے حالات کا بیان ہے۔جب ہم ادب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارا تاریخ سے واسطہ پڑتا ہے اور ہم تاریخ سے جڑ جاتے ہیں۔اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ادب کو سمجھنے کے لیے ہمیں تاریخ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ایسے ہی جب ہم کسی عہد کی تاریخ کا مطالعہ کرنے لگتے ہیں تو اس عہد کو واضح سمجھنے کے لیے ہمیں ادب کا مطالعہ بھی کرنا ہوتا ہے تاکہ ہم اس بات کا ادراک کر سکیں کہ اس عہد کے سیاسی و سماجی واقعات کا ادیب پر اور مؤرخ پر کیا اثر ہوا ہے اور ان میں کس قدر یکسانیت ہے۔یوں ہم یہ جان سکتے ہیں کہ ادب اور تاریخ کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔یہ دونوں ایک ہی وقت میں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔تاریخ اور ادب ایک دوسرے سے جدا بھی ہیں اور ایک دوسرے میں پیوست بھی ہیں۔ادب کو مکمل سمجھنے کے لیے ہمیں تاریخ کی کھڑکی سے اس عہد میں جھانکنا ہوتا ہے جب وہ ادب تخلیق ہوا اور ادب کی تخلیق کے لیے ہمیں اس عہد کی تاریخ سے جڑنا ہوتا ہے جب ادب تخلیق ہو رہا ہو۔

اس حوالے سے ہمارے پاس "مکاتیبِ غالب" کی مثال موجود ہے۔ہم "مکاتیبِ غالب" سے ان کے عہد کی تاریخ کا جائزہ لے سکتے ہیں کہ اس عہد میں دلی کے اجڑنے سے جو بربادی ہوئی اور جو اس ماحول میں اداسی تھی اس کا بیان غالب کے خطوط میں ملتا ہے۔اس کے علاوہ وہاں فارسی زبان کا بول بالا تھا اسی وجہ سے ان کی تحریروں میں جابجا فارسی الفاظ کا استعمال نظر آتا ہے۔اس طرح جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ادب اور تاریخ کا آپس میں کتنا گہرا تعلق ہے۔

ادبی تاریخ نویسی سے مراد ادب کی ایک ایسی تاریخ ہے جس میں کسی بھی قوم، ملک یا زبان کے ادب کی تاریخ ہو۔ادبی تاریخ میں دراصل ادب کے آغاز پر معاشرے اور بدلتے ہوئے حالات کے اثرات اور اس کے ارتقا کا بیان شامل ہوتا ہے۔ادبی تاریخ نویس کو ایک ہی وقت میں ادب اور زبان دونوں کے آغاز وارتقا کے تمام پہلوؤں کو بغور دیکھنا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے مطابق:

"ادبی تاریخ اس داستان کو بیان کرتی ہے جس کا تعلق ماضی سے ہے۔ یہ ماضی کے واقعات، تصورات اور رجحانات کی داستان ہے کہ جس کی تخلیق کسی مخصوص عہد میں ہوتی ہے مگر اس داستان کی ایک اور جہت بھی ہے وہ یہ کہ ادبی تاریخ ماضی میں پیش آنے والی واردات کے علم و آگہی کا نام بھی ہے۔"(14)

جب بھی ہم ادبی تاریخ نویسی کی بات کریں گے تو ہمیں ان تمام عوامل کو تفصیل سے دیکھنا ہو گا جو تاریخ اور ادب کے ارتقا میں بنیادی کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ عوامل جو ادبی تاریخ نویسی کے لیے اہم ہیں ان میں سب سے پہلے ہم تہذیب و ثقافت کا مطالعہ کریں گے۔

کسی بھی علاقے کے باشندوں کی پہچان ان کی تہذیب و ثقافت سے ہوتی ہے کہ وہ کیسے لوگ ہیں، ان کا رہن سہن اور رسم و رواج کیسے ہیں۔ وہاں کن چیزوں کو اہم اور ضروری سمجھا جاتا ہے اور ان کے کیا اقدار و اطوار ہیں۔ تہذیب دراصل کسی علاقے کے افراد کے مہذب اور باشعور ہونے کی علامت ہے۔ تاریخ ادب کے حوالے سے چند مورخینِ ادب کی آرا ملاحظہ کیجیے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ادبی تاریخ کے حوالے سے تاریخ ادب اردو (جلد دوم) میں لکھتے ہیں:

"ادب کی تاریخ وہ آئینہ ہے جس میں زبان اور اس زبان کے بولنے اور لکھنے والوں کی اجتماعی و تہذیبی روح کا عکس دیکھ سکتے ہیں۔ ادب میں سارے فکری، تہذیبی، سیاسی، معاشرتی اور لسانی عوامل ایک دوسرے میں پیوست ہو کر ایک وحدت، ایک اکائی بناتے اور تاریخ ادب ان سارے اثرات، روایات، محرکات اور خیالات و رجحانات کا آئینہ ہوتی ہے۔"(15)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"ادبی تاریخ ماضی کی بازیافت ہے اس کا اہم مقصد گئے گزرے زمانوں کو زندہ کرنا ہے۔ ادبی مورخ ماضی کے اندھیروں میں سفر کرتا ہے، خوابیدہ داستانوں کو بیدار کرتا ہے، گرد میں دبی ہوئی دستاویز کو جھاڑتا ہے اور ان دستاویز کے اوراق پر ماضی کے نامور کرداروں سے متعارف ہوتا ہے۔ ان سے مقالہ کرتا ہے۔۔۔" (16)

ڈاکٹر سلیم اختر اردو ادب کی تاریخ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"کسی زبان کی جغرافیائی حدود سے مخصوص لسانی، روحانی، تہذیبی، سماجی، سیاسی، اقتصادی عوامل اور حرکات کے عمل اور رد عمل سے تشکیل پانے والے ذہنی تناظر میں وقوع پذیر ہونے والی تخلیقات کی معیار بندی، لسانی مضمرات اور تخلیقی شخصیت کا مطالعہ، تاریخ نگاری اور ان ہی کا مطالعہ تجزیہ و تحلیل اور تشریح ادب کے مورخ کا بنیادی فریضہ ہے۔"(17)

علاوہ ازیں انگریز ناقدین ادبی تاریخ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ رینے ویلک کے مطابق:

"History can be written only in reference to variable schemes of values, and these schemes have to be abstracted from history. The establishment of the exact position of each work in a tradition is the first task of literary history.... the history of the term and the critical programs as well as the actual stylistic changes: the relationship of the period to all the order activation of man: the relationship to the same period in order countries." (18)

ہڈسن اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"it is a chronological account of the men who wrote in these languages and the book they produced. With critical analysis of their merits and defects and some description of literary

school and literary schools and traditions and of flection in fashions and taste."(19)

تاریخ نویسی کا تصور ہمارے پاس مغربی ادب کے ذریعے پہنچاہے۔تاریخ کا کام دراصل سچائی کی تلاش ہے۔ تاریخ کے لیے انگریزی میں Facts(حقائق)کا لفظ استعمال ہوتا۔حقائق (Facts)سے مراد کسی بات کا ثبوت، کسی بات کے سچ ہونے کی تصدیق کرنا ہے۔اس کے مقابلے میں ادب کا تعلق عمل سے ہے۔ادب تخیل کی بات کرتا ہے جب کہ تاریخ ایک تسلسل کا نام ہے۔تاریخ ایک فرد کی کہانی نہیں ہے، بلکہ تاریخ ایسے واقعات کا بیان ہے جو معاشرے میں تبدیلی کا باعث بنتے ہیں۔تاریخ میں بنیادی طور پر جو چیز اہم ہے وہ تاریخ کا تسلسل ہے۔ادب میں فردیت پائی جاتی ہے جب کہ تاریخ معاشرے کی عکاس ہوتی ہے،تاریخ ماضی کے واقعات کا بیان ہے۔ تاریخ نویسی کے لیے جو طریقہ ہائے کار استعمال ہوتا ہے وہ اہم ہے۔ادبی تاریخ نویسی ادب کے ارتقا کی کہانی کے جو ادب کے ارتقا کے سفر کو تسلسل کے ساتھ معاشرتی عوامل کے حوالوں سے بیان کرتی ہے۔ادبی تاریخ نویسی میں ادب اور زبان کے ارتقا کے عمل کو معاشرتی تبدیلیوں کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔جدید تاریخی نگاری میں جن سائنسی اصولوں، متعلقہ ،سوالات کا احاطہ سوالات پر قابل اعتماد ہو اور تائید اور انسانیت کے نمائندگی کریں تاریخ نویسی سے ہم ادب اور عہد میں ادب تخلیق ہو اس کو سکتے ہیں۔

تاریخ ماضی کے واقعات کا بیان ہے تو ادبی تاریخ نویسی ان واقعات کو بیان کرنے کا عمل ہے۔تاریخ نویسی میں تمام واقعات کو حقائق و ثبوت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی ایک ہی سلسلے میں ایک ہی عہد میں ترقی کا کیا عالم ہے۔ادبی تاریخ میں معاشرے کو بھی مد نظر رکھا جاتا ہے اور اس کے عہد کو بھی ادبی تاریخ ادب کے ارتقا کا بیان ہے ۔ادبی تاریخ کا باقاعدہ تصور ہمیں مغربی ادب سے ملتا ہے۔اردو ادب میں بھی یہ تصور مغرب سے آیا ہے۔ اگر ہم

مغربی مورخین کا نام لیں تو ہم دیکھتے ہیں Brow اور Bartendosal کا نام جدید مورخین میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

جب تاریخ کی بات کی جائے تو قوموں کے عروج و زوال کی داستان، سیاسی چپقلش، قتل و غارت حکومتوں کے حالات ذہن میں آتے ہیں اس لفظ کے ساتھ ادب یا ادبی کو بھی شامل کر دیا جائے تو ذہن میں سوچوں کا منظر بدل جاتا ہے۔ پھر قوموں کی لسانی زندگی کے ساتھ ساتھ خدمات و احساسات کے بھرپور جمالیاتی ذوق کی داستان ہمارے ذہن میں آتی ہے۔

اس داستان کو تاریخ میں شامل کر کے ادبی تاریخ بنانے کے لیے کچھ بنیادی قدریں ہیں، جنھیں اصولوں کا نام دیا جاتا ہے۔ ادبی تاریخ نویسی کے لیے جن اصولوں کو مد نظر رکھا جاتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

1) ادب کے حوالے سے بنیادی و ثانوی ماخذات تک رسائی حاصل کی جانی چاہیے ہے۔
2) ادبی تاریخ نویسی کے لیے ادب کو تسلسل میں دیکھا جانا چاہیے تا کہ اس کے ارتقاء کے سفر کو درست انداز میں بیان کیا جا سکے اور واقعات کے بیان میں ربط و تسلسل قائم ہو۔
3) ادبی تاریخ نویسی میں کسی بھی ادب پارے کے حوالے سے تناظرات کی عکاسی کی جانی چاہیے جس سے واضح ہو کہ ادب پارے کی تخلیق اور موضوع پر کن کن عوامل کے اثرات موجود ہیں۔
4) ادبی تاریخ نویسی میں مصنفین کی تحریروں کی عکاسی کے لیے نگارشات کے نمونے بھی شامل کیے جانے چاہیے۔
5) ادوار اور اصناف کی تحریر کے لیے زمانی ترتیب یا تاریخی ترتیب کو مد نظر رکھا جانا چاہیے۔
6) ادبی تاریخ نویسی کے لیے مورخ کا محقق کے ساتھ ساتھ نقاد ہونا بھی ضروری ہے تا کہ وہ فن پاروں کے حوالے سے درست تنقیدی رائے کا اظہار کر سکے۔
7) ادبی تاریخ نویسی کا اسلوب شگفتہ، رواں اور سادہ ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی تاریخ نویسی کے معیار کے مطابق ہونا چاہیے۔

3) تاریخ نویسی اور ادبی تاریخ نویسی اصولوں میں فرق

تاریخ نویسی اور ادبی تاریخ نویسی کے اصول کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے عمومی تاریخ نویسی جو کسی بھی حوالے سے ہے کسی بھی موضوع پر ہو یا ادبی تاریخ نویسی ہو دونوں کا تعلق بنیادی طور پر ماضی سے ہے اور ماضی کے واقعات کا بیان ہی تاریخ بھی کہلاتا ہے۔اس لیے تاریخ نویسی ہو یا ادبی تاریخ نویسی دونوں کے لیے بنیادی طور پر تاریخ نویسی کے اصولوں کو مد نظر رکھا جائے گا۔ادبی تاریخ نویسی بھی چونکہ تاریخ نویسی کا ایک پہلو ہے یعنی ادبی تاریخ نویسی بھی بنیادی طور پر تاریخ ہی ہے اور دیگر عمومی تواریخ کی طرح ادبی تاریخ کی بھی اپنی اہمیت ہے اس لیے بنیادی طور پر ادبی تاریخ نویسی میں تاریخ نویسی کے اصولوں کو مد نظر رکھا جاتا ہے اور تاریخ نویسی کے اصول ہی ادبی تاریخ نویسی کے اصول بھی ہیں۔ مگر ادبی تاریخ چونکہ تاریخ ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی تاریخ بھی ہے اس لیے ادبی تاریخ نویسی کے لیے مورخ کو ادبی تاریخ کے کچھ اصولوں کو بھی مد نظر رکھنا چاہئے ہے مثال کے طور پر ادبی تاریخ لے لیے مورخ کو ادب کے تناظر میں تاریخ کا جائزہ لینا ہوتا ہے جس کے کے لیے ادب کے حوالے سے تاریخی واقعات کو بیان کرنا ہوتا ہے۔ادبی تاریخ کے اسلوب کا بھی خاص خیال رکھنا ہوتا ہے۔اس کے علاوہ مصنفیں کے ادب پاروں اور دستاویزات کو بھی ادبی تاریخ نویسی کے لیے مد نظر رکھنا ہوتا ہے۔ کوئی بھی عمومی تاریخ لکھنے کے لیے تاریخی ترتیب کو مد نظر رکھنا ضروری سمجھا جاتا ہے ادبی تاریخ نویسی میں اصناف کے اعتبار سے بھی تاریخ نویسی کی امثال موجود ہیں۔ ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ ادبی تاریخ نویسی اور تاریخ نویسی دونوں کے بنیادی اصول یکساں ہیں۔

ج۔ تاریخ نگاری کے منتخب اصولوں کا مطالعہ :

ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کی بات کی جائے تو اردو ادبی تاریخ کی ذیل میں بہت سی تواریخ لکھی گئی ہیں مگر جمیل جالبی کی "تاریخ ادب اردو" اب تک کی تمام تواریخ میں سب سے زیادہ واضح اور مکمل ہے۔ ہم ادبی تواریخ کے تقابل کے لیے جمیل جالبی کی تاریخ میں ان اصولوں کو دیکھیں گے جن کی بنیاد پر ہم نے منتخب کتبِ تاریخ کا تقابل کرنا ہے کہ جمیل جالبی ان اصولوں کو کیسے اپنی تاریخ میں مد نظر رکھتے ہوئے تاریخ لکھتے ہیں۔ مقالے میں ہم نے

منتخب کتبِ تاریخ میں اسلوب، تکنیک اور ماخذات کا جائزہ لینا ہے اور دیکھنا ہے کہ جمیل جالبی نے کن اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے متذکرہ عوامل کو اپنی کتابِ تاریخ میں برتا ہے۔

1) اسلوب :

اسلوب عربی زبان کا لفظ ہے اور انگریزی میں اس کے لیے Style کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اردو لغات میں

اسلوب کے مختلف معانی درج ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

جہانگیر اردو لغت (جامع ترین) میں اسلوب کو "طور طریقہ، ڈھنگ، وضع، انداز، روش، حکمت عملی" کہا گیا ہے۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر) میں اسلوب کے معانی "اندازِ نگارش، انگریزی میں اسٹائل، راہ، صورت، پائے جانے کی کیفیت، سلیقہ، خوبی" ہیں۔(20)

عربی لغت المعانی میں "اسلوب: طریقہ، طرز، طرز بیاں، بیان کے مختلف انداز "(21)

مندرجہ بالا معانی کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو اسلوب دراصل انداز تحریر ہے۔ اسلوب وہ انداز تحریر ہے جس کو اپناتے ہوئے کوئی بھی مصنف اپنی تحریر کو الفاظ کی صورت میں قرطاس پر اتارتا ہے مگر اسلوب میں وہ الفاظ کو ہیر پھیر، ترتیب اور مختلف انداز سے استعمال کرتا ہے۔ کہیں وہ اپنے انتخاب کا اظہار کرتا ہے تو کہیں صنف کے تقاضوں اور ادب کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کوئی بھی اسلوب وضع کرتا ہے۔ یہی اسلوب اور اندازِ تحریر اس کی پہچان بھی بنتا ہے اور علم کو خوب صورت اور منفرد انداز میں دوسروں تک الفاظ کی مدد سے پہنچاتا ہے ۔اسلوب انداز تحریر کا نام ہے اور انداز تحریر میں الفاظ کا چناؤ تحریر کے تقاضے، وضاحت واختصار، سادگی و روانی، منفرد لب ولہجہ اہم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی بہت اہمیت کی حامل ہے کہ مصنف کیا لکھ رہا ہے کیوں کہ اسلوبِ تحریر پر مضمون کا مزاج اور مضمون کی نزاکتیں بھی اثرانداز ہوتی ہیں۔ اسی لیے ایسا ہوتا ہے کہ تاریخ، ادب، سائنس، فقہ، قانون، تحقیق اور تنقید ہر مضمون کا اسلوب منفرد ہو گا۔ یہاں تک کہ ایک ہی شخص جب کوئی الگ الگ مضمون لکھے گا تو اس کا اسلوب بھی منفرد ہو گا۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مختلف موضوعات مختلف اسالیب کا جامہ

پہن لیتے ہیں۔اسلوب دراصل لکھنے والے کا وہ طرزِ تحریر ہے جس کے ذریعے وہ تحریر کو قابلِ فہم بنا کر دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے۔اسلوب مصنف کا منفرد انداز بیان ہے جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔ Henri Beyle Stendhal کہتا ہے:

"اسلوب کے معنی یہ ہیں کہ فن کار کسی سلسلہ فکر کے اظہار کے وقت وہ تمام کوائف شامل کرے جو سلسلہ فکر کے کامل ابلاغ کے لیے ضروری ہیں۔"(22)

ہنری کے مطابق "اسلوب تحریر کا وہ طرزِ بیان ہے جو بات کو واضح کرے۔اسلوب میں زبان، الفاظ، مرکبات، گرامر، صنف، عہد، ترتیب، خیال، حقائق کا بیان تمام باتوں کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔"(23)

اسلوب کے حوالے سے سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

"اسلوب سے مراد کسی لکھنے والے کا وہ انفرادی طرزِ نگارش ہے جس کی بنا پر وہ دوسرے لکھنے والوں سے متمیز ہو جاتا ہے۔"(24)

ایل ہکی(L. Hickey)اسلوب کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"Two utterances in the same language which convey approximately the same information but which are different in their linguistics structure, can be said to be differ in style."(25)

اس حوالے سے دیکھا جائے تو اسلوب دراصل الفاظ کے استعمال کا وہ طرز ہے جو تحریر کو منفرد بناتی ہے۔ یعنی ایک ہی بات کو مختلف انداز سے لکھیں گے تو اس کا اسلوب بدل جائے گا،الفاظ کا چناؤ اس کو مختلف کر دے گا۔

ادبی تاریخ ایک طرف تاریخ ہے اور دوسری طرف ادب۔یعنی ادبی تاریخ میں ادب کی رنگینی کے ساتھ ساتھ تاریخ کے حقائق کا بیان بھی ہے۔ادبی تاریخ ادب اور تاریخ کے امتزاج سے بنتی ہے۔ادبی تاریخ نویسی میں اسلوب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

ادبی تاریخ نویسی کے اسلوب میں مصنف کا منطقی انداز یا پیرایہ تحریر خاص اہمیت کا حامل ہے۔ مصنف نے کن الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی تحریر کا اسلوب یا پیرایہ تحریر ایسا ہونا چاہیے جو پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں لے۔اسلوب منفرد اور دل چسپ ہونا چاہیے تاکہ پڑھنے والا پڑھتے ہوئے اکتاہٹ کا شکار نہ ہو۔الفاظ کا چناؤ سادہ اور واضح ہونا چاہیے تاکہ قاری کو اصل بات کے فہم میں آسانی ہو۔

ادبی تاریخ نویسی کے اسلوب میں تسلسل کا عنصر بہت اہمیت کا حامل ہے۔تاریخ میں تسلسل کا ہونا اہم ہے تاکہ واقعات و حقائق کو سمجھنا آسان ہو۔تاریخ حصوں میں یا ٹکڑوں میں نہیں ہونی چاہیے بلکہ واقعات کا آپس میں ربط ہونا چاہیے تاکہ قاری کو واقعات کے اثرات اور نتائج کو سمجھنے میں آسانی ہو۔اگر ایک واقعے اور دوسرے واقعے کے درمیان ربط کے بجائے سکوت ہو گا تو تاریخ عہد کی درست ترجمانی کرنے سے قاصر ہو گی۔

تبسم کاشمیری تسلسل کے بارے میں لکھتے ہیں :"ادبی تاریخ کے ارتقا میں تسلسل اور روایت کے تصور کو مدنظر رکھا جائے۔"(26)

"تسلسل سے واقعات کو سمجھنا آسان بناتا ہے اور یہ تاریخ کو بھی قابل فہم بناتا ہے۔"(27)

جمیل جالبی تسلسل کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور تاریخ نگاری میں بھی اس کو برتتے ہیں۔"تاریخ ادب اردو" میں وہ لکھتے ہیں :

> "تاریخ کا کام صرف یہ نہیں کہ واقعات و حقائق کا محض اندراج کر دے بلکہ ضروری ہے کہ تسلسل ہی وہ عمل ہے جس کے ذریعے ارتقا کے منازل طے کی جاتی ہیں۔"(28)

تبسم کاشمیری تسلسل کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں :

> "مورخ تاریخ پیدائش ، سن وفات اور زندگی کے اہم واقعات کے سن فراہم کرتا ہے گویا سب سے پہلے وہ سوانحی مواد حاصل کرتا ہے پھر اس مرحلے کو طے کرنے کے بعد ادبی تاریخ کی روایت ، تسلسل ،رجحانات ، نظریات اور ہر عہد کے ادبی ارتقاء کو غور و فکر کر کے مصنفین کے کام کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے۔"(29)

ادبی تاریخ نویسی کے اسلوب میں تسلسل اسلوب کی وہ خوبی ہے جو تحریر تاریخ کو قابل فہم بناتی ہے۔اس کے علاوہ ادبی تاریخ نویسی کے اسلوب میں ضروری واقعات کی وضاحت کا ہونا بھی اہم ہے۔ یہ بات مورخین کو مد نظر رکھنی ہوتی ہے کہ وہ واقعات کو کس حد تک واضح اور مکمل بیان کر رہے ہیں اور کون سی ضروری اور غیر ضروری باتوں کا ذکر تحریر میں شامل کر رہے ہیں۔

مورخ کو یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کرنا ہے کہ کس بات کو کس حد تک بیان کرنا چاہیے۔ جہاں وضاحت کی ضرورت ہو وہاں وضاحت کرنی چاہیے اور جہاں مورخ یہ محسوس کرے کہ اسے وضاحت کی ضرورت نہیں ہے تو وہ ضروری بات کرتے ہوئے تسلسل کو برقرار رکھے، غیر ضروری اور غیر اہم وضاحت بھی تحریر کو بوجھل کر دیتی ہے، البتہ اہم باتوں کا بیان مکمل کرنا چاہیے۔

ادبی تاریخ نویسی میں اسلوب وہ انداز تحریر ہے جو تاریخ کے واقعات کو ایسے الفاظ کے چناؤ کے ساتھ پیش کرے کہ پڑھنے والا اصل بات کو سمجھ جائے۔ الفاظ کا چناؤ ایسا ہونا چاہیے جو قاری کے لیے قابلِ فہم ہو۔ اسلوب دراصل اندازِ تحریر ہے، ادبی تاریخ نویسی کا اندازِ تحریر سادہ سلیس اور رواں ہونا چاہیے جس میں ربط اور تسلسل کا عنصر بھی پایا جاتا ہے، نیز بات کا مکمل بیان بھی تاکہ کوئی بھی تحریر ابہام کا شکار نہ ہو۔ ماضی کا حال سے جو رشتہ ہے وہ واضح ہو، اس حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> "ادبی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حال کا ماضی سے کیا رشتہ ہے اور یہ بھی کہ حال ماضی کو کیسے بدلتا ہے۔(30)

تسلسل کے ساتھ ساتھ اہم تاریخی واقعات کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ ڈاکٹر سید عامر سہیل کا کہنا ہے کہ "تاریخِ ادب صرف واقعات کا تسلسل نہیں بلکہ ان کا ایک تاریخی اظہار ہے۔"(31)

وہ یہاں تاریخی اظہار کی اہمیت بیان کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ تسلسل کو نظر انداز نہیں کرتے ہیں۔ تاریخی اظہار کا تعلق تاریخ سے ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تاریخی اظہار کے ساتھ ادب کے ارتقا کا بیان بھی تاریخ اظہار کا حصہ ہے۔

تاریخی اظہار میں ادبی تاریخ کے ساتھ تہذیبی تاریخ کا امتزاج بھی بیان کیا جاتا ہے۔یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ اور ادب مل کر ہی ادبی تاریخ بناتے ہیں۔ادبی تاریخ نویسی کے انداز تحریر میں مورخین کا انداز تحریر، سلاست و روانی،الفاظ کا بر محل استعمال اور تسلسل تاریخ نگاری کو منفرد بنا دیتا ہے۔ جمیل جالبی نے ادبی تاریخ نویسی میں یہی انداز اپنایا ہے۔ وہ ادبی تاریخ میں تمام ضروری معلومات پر مفصل بحث کرتے ہیں اور جہاں وضاحت کی ضرورت نہ ہو، وہاں اختصار سے کام لیتے ہیں۔ مورخ کا کمال یہ ہے کہ اسے الفاظ کا بہتر استعمال کرنا آتا ہو۔ الفاظ کے مناسب استعمال سے مورخ قاری کو متاثر کرتا ہے۔الفاظ و تراکیب کی بر محل نشست سے قاری تحریر کے سحر میں گرفتار ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے اندازِ تحریر کے حوالے سے ڈاکٹر گوہر نوشاہی لکھتے ہیں:

> "ڈاکٹر جمیل جالبی کے انداز تحقیق کی ایک اور نمایاں خوبی جو انھیں اردو کے دوسرے محققین سے ممتاز کرتی ہے ان کے اندازِ تحریر کی پُر شگفتگی ہے اور ادبی پن ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تحریروں میں تحقیقی اور تنقیدی اسالیب کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے، جس سے نثر میں ایک تخلیقی مزاج پیدا ہو گیا ہے۔اس تخلیقی رویے نے ان کی تحریر میں ایسی رونق اور زیبائی پیدا کر دی ہے کہ بظاہر خشک سے خشک موضوع ان کے ہاں پر کیف نظر آنے لگتا ہے۔جالبی صاحب نے تخلیق اور تنقید میں اتصال اور کم آہنگی کو اس طرح فروغ دیا ہے کہ ان کے ہاں تنقیدی فکر سے تحقیق کی صورت گری ہوتی ہے اور تحقیق کے ذریعے تنقید کو درجہ استناد ملا ہے۔"(32)

ڈاکٹر جمیل جالبی ادبی تاریخ کے اسلوب کے حوالے سے تجویز دیتے ہیں:

> "ایسا اسلوب جو آئینہ کی طرح شفاف ہو، رواں اور شگفتہ ہو اور عام بول چال کے قریب ہوتے ہوئے بھی ادبی ہو۔"(33)

ادبی تاریخ میں اسلوب کے جن خصائص کو مد نظر رکھنا ضروری ہے ان میں سلاست و روانی، تسلسل و وضاحت،الفاظ کا چناؤ اور سادگی اہمیت کے حامل ہیں۔

2) ماخذات:

لفظ "ماخذ" لفظ "اخذ" کی جمع ہے اور اخذ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی "مخرج، منبع اصل" کے ہیں۔ ماخذ کے مختلف لغات میں جو معانی درج ہیں وہ یہ: جہانگیر اردو لغت میں ماخذ کے معنی "جہاں سے کوئی چیز اخذ یا حاصل کی جائے۔ مصدر، منبع، مخرج یا اصل" کے ہیں۔(34)

اردو لغت (تاریخی اصول پر) میں "ماخذ سے مراد وہ جگہ جہاں سے کوئی چیز اخذ کی جائے، اخذ کرنے کی جگہ کا منبع، وہ جگہ جہاں سے کوئی چیز نکلے، منبع، سرچشمہ مخرج، بنیاد، اصل مرکز۔"(35)

ماخذ کے لیے انگریزی میں "source" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس حوالے سے انگریزی لغات میں اس کے معنی مندرجہ ذیل ہیں :

> "The place something come from or stars at or the cause of something, something or someone that causes or produce something or is the origin of it to get something from a particular place."(36)

"Oxford learners dictionary" میں source کے یہ معانی درج ہیں:

> "A place, person, or thing that you get something from, a person, book, or document that provides information, especially for study, a piece of written work or news, Historians use a wide range of primary and secondary sources for their research."(37)

مندرجہ بالا معانی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں ماخذ وہ بنیادی مواد ہے جس پر ہم تحقیق کرتے ہیں۔ ماخذ سے مراد ایسی تحریریں، دستاویزات یا ایسے شواہد ہیں جن کی مدد سے محقق اپنے موضوع کے متعلق نتائج حاصل کرتا ہے۔ علمی تحریر میں ماخذ وہ ذریعہ ہے جس کی مدد سے مصنف، محقق یا مورخ معلومات جمع کرتا ہے۔

علمی تحریر میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والے اور اہم ماخذات کتابیں، جرائد، دستاویزات ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں، ریڈیو یا ٹیلی ویژن کی نشریات، انٹرنیٹ سائٹس، فلمیں یا تصاویر بھی ماخذات کے حوالے سے اہم ہو سکتی ہیں۔ اس کے ضمن میں ڈائریاں، خطوط، دستاویزات بھی اہمیت کی حامل ہیں۔ ماخذات کی بہت سی قسمیں ہیں مگر بنیادی طور پر ماخذات کی دو اہم قسمیں ہیں۔

(1) بنیادی ماخذات

(2) ثانوی ماخذات

بنیادی ماخذات (primary sources) کسی بھی موضوع کے متعلق براہ راست معلومات فراہم کرنے والے ذرائع بنیادی مآخذ کہلاتے ہیں۔ بنیادی مآخذ میں کتب، مقالات، روزنامچے، دستاویزات، مخطوطات اور خطبات وغیرہ شامل ہو سکتے ہیں۔ کسی واقعے کے عینی شاہد کا بیان تحریر یا نفری صورت بنیادی ماخذ میں شامل ہے۔

ثانوی ماخذات(secondary sources) موضوع تحقیق کے متعلق بالواسطہ معلومات کے ذرائع ثانوی ماخذات کہلاتے ہیں۔ ثانوی ماخذات میں کتب، مقالات اور بنیادی ماخذات سے اخذ کر کے لکھی جانے والی تحریر اور تراجم بھی شامل ہوتے ہیں۔

مآخذ تحقیق میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ کسی بھی مصنف یا صنف پر کی جانے والی تحقیق ہو یا زبان کے حوالے سے تحقیق، ماخذات ہی کے ذریعے اس کے اصل تک پہنچا جا سکتا ہے۔

ادبی تاریخ نویسی ایک ایسا امر ہے جس میں ادب اور تاریخ یعنی ادب اور اس عہد کی تاریخ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ادبی تاریخ نویسی کے ذریعے ہی ہم جان سکتے ہیں کہ ادب کن حالات میں پروان چڑھا اور کن حالات نے اسے متاثر کیا۔ کون سے عوامل ادب کو متاثر کرتے ہیں اور کس عہد میں ادب کو زیادہ فروغ ملا۔ ادبی تاریخ ادب کے ارتقا کا وہ سفر ہے جو ادب پر ہر دور کے اثرات کے ساتھ ادب کو فروغ دیتا ہے۔ ماضی میں ادب کیا تھا اور حال میں ادب نے کس قدر ترقی کی ہے۔ کس کی تحریر کلاسیکی ادب کا حصہ بنی اور کون سا ادب اپنے عہد کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ کس دور میں کس نے ایسا ادب تخلیق کیا جو ادب کی شان بن گیا اور کس کی تحاریر صرف الفاظ کا مجموعہ بنی رہیں۔ اس بات کو

سمجھنے اور جاننے کے لیے ہر عہد کے ادب کے بنیادی ماخذات تک رسائی ضروری ہے اور ساتھ ہی اس کے حوالے سے ثانوی ماخذات بھی اہمیت کے حامل ہیں کہ اس حوالے سے ناقدین کی آرااور اس کی مقبولیت و عدم مقبولیت کا تعین کیا جاتا ہے۔

ان تمام باتوں کے لیے تاریخ شواہد مانگتی ہے اس لیے محقق یا مورخ تاریخ نویسی کے لیے سب سے پہلے جس چیز کو اہم سمجھتا ہے اور جس پر زور دیتا ہے وہ ماخذات ہیں۔ماخذات کے بناتاریخ محض واقعات کا مجموعہ ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ماخذات تاریخ نویسی میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

تحقیق کے دوران میں محض ادبی مواد ہی ماخذات میں اہم نہیں ہوتا بلکہ غیر ادبی مواد بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔غیر ادبی مواد میں بھی مصنف یااس صنف کے بارے میں مطلوبہ معلومات مل سکتی ہیں۔ یوں ماخذات کی تلاش میں مورخ اپنے عہد سے اس عہد تک کا سفر کرتا ہے۔جس عہد کی وہ تاریخ لکھ رہا ہو،اس سے متعلق تمام شواہد کو گہری نظر سے دیکھتا ہے اور جمع کرتا ہے۔ماخذی مواد مختلف قسم کا ہو سکتا ہے: مخطوطات ،بیاضیں ،خطوط، کتب، مطبوعہ یاغیر مطبوعہ کتب اور رسالوں اس کے علاوہ ریکارڈ، داخلہ فارم، انٹرویو، ادبی جرائداور کئی دوسرے ماخذات ادبی تاریخ نویسی کے لیے اہمیت کے حامل ہو سکتے ہیں۔ماخذی مواد گیان چند جین یوں تقسیم کرتے ہیں:

"کتابیں جن کی دو قسم (1) مطبوعہ (2) قلمی یا خطی ادبی مخطوطات، مسودے، ڈائریاں، میونسپل رجسٹر وغیرہ۔ جریدے (رسالے اور اخبار) دوسرے کاغذات، خطوط تاریخی دستاویزات، قانونی دستاویزات، زائچے، متعلق ریکارڈ، فلم، سمعی مواد، بصری مواد، مباحثے ملاقات، مراسلت کے ذریعے استفسار، سوال نامے۔"(38)

ادبی تاریخ لکھتے ہوئے مورخ کو ادب کے علاوہ سیاسی، سماجی، معاشی اور ثقافتی حالات کا بھی بغور مطالعہ کرنا ہوتا ہے تاکہ ادب اور اس کے عہد کے تعلق کو سمجھ سکے اور بیان کرے۔اس حوالے سے ماخذات بہت اہم ہیں اور بنیادی ماخذات تک رسائی بہت ضروری ہے۔تاریخ میں بنیادی اور ثانوی دونوں ماخذات اہمیت کے حامل ہیں اور ادبی تاریخ کی تکمیل کے لیے ضروری ہیں۔

ادبی تاریخ میں مورخ جو بھی بات کرتا ہے اس کو مستند بنانے کے لیے حوالہ دیتا ہے اور اس حوالے کے لیے ماخذات ہی سب سے اہم کڑی ہیں۔ مورخ اپنی کسی بھی بات کو دلیل کے بنا بیان نہیں کرتا اور دلیل کے لیے بنیادی اہمیت ماخذات کی ہے۔ مرزا سلیم بیگ ماخذات کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"ادبی تاریخ کے سلسلے میں ماخذ کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ مورخین اس سلسلے میں بے حد احتیاط سے کام لیتے ہیں اور حتی المقدور بنیادی ماخذات تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔"(39)

ماخذات میں مورخ کی حتی الامکان کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ بنیادی ماخذات تک رسائی حاصل کرے اور بنیادی ماخذات کی تصدیق کے لیے ثانوی ماخذات کو بھی مد نظر رکھے۔ مواد میں سب سے اہم اور معتبر وہ ہے جو بنیادی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہو۔ ادبی تاریخ نویسی کے لیے مختلف متون کی فراہمی ان کے حوالے کے لیے مستند اور اہم تصانیف کی فراہمی بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اگر بنیادی دستاویزات نا میسر ہوں تو اس سے وابستہ دیگر حوالوں، مقالوں اور تصانیف کا جائزہ لینا چاہیے، کیوں کہ تاریخ ادب میں ہر بات کو حوالوں اور سند کے ساتھ پیش کرنا ضروری ہے۔ دستاویزات کی اہمیت کے حوالے سے ڈاکٹر تبسم کاشمیری ایک حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"A introduction to the study of history... " میں مصنفین کا دعویٰ ہے کہ مورخین کا کام دستاویزات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر ان کے پاس دستاویزات نہیں تو پھر تاریخ بھی نہیں۔"(40)

ادبی تاریخ نویسی میں ماخذات کے حوالے سے نگارشات کے نمونے بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ نگارشاتی نمونے مورخ کی رسائی میں ہوں گے تو وہ بہ وقت ضرورت ان میں سے منتخب نمونوں کو تاریخ نگاری میں بھی شامل کرے گا اور اس طرح نگارشات کے نمونے میسر ہونے سے وہ ادیب کے مزاج اور انداز تحریر سے بھی واقف ہو گا۔ اس حوالے سے حامد حسین قادر لکھتے ہیں:

"مصنف کے ہر قسم کے تحریر کے نمونے اور ان پر تبصرہ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر بیان کی تشنگی کا احساس دیتا ۔"(41)

اس کے علاوہ ماخذات میں اہم مقام بیاضوں کو حاصل ہے۔بیاض اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں شعرا نے اپنے اشعار بیان کیے ہوں،ان کی مدد سے اہم معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ماخذات کی اہمیت کے حوالے سے سمیرا اعجاز لکھتی ہیں: "ماخذ جس قدر بنیادی اور قد آور ہو گا اس درجہ اس کے بیانات بلند ہوں گے۔"(42)

اپنے ایک مضمون ادبی تاریخ نویسی کے مآخذ میں وہ جن مآخذ کا ذکر کرتی ہیں ان کو وہ دو حصوں میں تقسیم کرتی ہیں :

(1)بنیادی یا ثانوی مآخذ (2)داخلی یا خارجی ماخذ

تاریخ نویسی میں جو ماخذات زیادہ اہمیت کے حامل ہیں ان میں بیاض، تذکرے، دستاویزی شہادتیں، مخطوطات، ملفوظات، خطوط، رسائل اور اخبارات شامل ہیں، جو واقعات کی ٹھوس تاریخی شہادتیں فراہم کرتے ہیں۔

ادبی تاریخ نویسی میں ماخذات کی سند کے حوالے سے جمیل جالبی کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو ان کی تاریخ کی اہمیت کا انکار ممکن نہیں ہے۔ جمیل جالبی نے اپنی کتاب "تاریخ ادبِ اردو" میں جس قدر ممکن ہو سکتا تھا بنیادی ماخذات سے استفادہ کیا ہے۔اہم بات یہ ہے کہ جمیل جالبی نے اردو ادب کی ایک مکمل تاریخ لکھی ہے جو کہ ایک پورے ادارے کا کام تھا، وہ ایک شخص نے کیا مگر اس کے باوجود اس قدر محنت سے یہ کام کیا گیا ہے کہ کہیں بھی وہ ادبی تاریخ نویسی میں سست روی سے کام لیتے ہوئے نظر نہیں آتے یہ ان کی شخصیت کا کمال تھا کہ انھوں نے یہ معرکہ اس قدر خوش اسلوبی سے سر انجام دیا۔ وہ ادبی تاریخ لکھتے ہوئے ادب اور تاریخ کے اصل ماخذات تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور اپنی تاریخ میں ان کا حوالہ دیتے ہیں۔ جمیل جالبی نے وسیع مواد کو جمع کیا اور اس کو جمع کرنے کے بعد مربوط انداز میں حوالوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ جمیل جالبی کے ماخذات کے بارے میں خلیق انجم لکھتے ہیں کہ

> "جمیل جالبی کی تاریخ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس انداز کی اردو ادب کی تاریخ پہلی بار لکھی گی ہے۔اس تاریخ کے لیے جمیل جالبی نے بے شمار مخطوطات اور مطبوعات کا مطالعہ کیا ہے۔"(43)

جمیل جالبی کی ادبی تاریخ نویسی میں ماخذات کے حوالے سے گیان چند جین لکھتے ہیں:

"۔۔۔ جمیل جالبی نے نمونے درج کرتے وقت کس کثرت سے اصل ماخذوں کو دیکھا ہے ۔۔۔ کس کثرت سے ماخذوں کا صفحہ وار حوالہ موجود ہے۔ان ماخذوں کی بنا پر میں اعتراف کرنے پر مجبور ہوں کہ اردو ادب کے جس قدر تخلیقی اور تحقیقی کام ڈاکٹر جمیل جالبی کی نظر سے گزرے ہیں اتنے کسی دوسرے کی نظر سے نہیں۔"(44)

ڈاکٹر صابر کلوروی لکھتے ہیں:

"اب تک جتنی تواریخ شائع ہو چکی ہیں ان میں جمیل جالبی کی تاریخ سب سے عمدہ ہے اس کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری اس کتاب کو الگ ادبی معجزہ سمجھتے ہیں۔ اس تاریخ کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں تاریخ اور تنقید کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ماخذ کی تلاش اور چھان میں بھی خاصی محنت سے کام لیا گیا ہے، سنین کی درستی کا بھی خاصہ اہتمام کیا گیا ہے۔"(45)

ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے مآخذ ہی ادبی تاریخ کی وہ کڑی ہیں جن کے بنا تاریخ کی تکمیل ممکن نہیں بلکہ تاریخ کی عمارت ماخذات کی اینٹوں پر استوار ہوتی ہے۔اس حوالے سے جمیل جالبی بنیادی ماخذات تک رسائی کرتے ہوئے ادبی تاریخ کو جہاں مستند بناتے ہیں وہیں اس کو سادہ اور رواں بنا کر بھی پیش کرتے ہیں ۔

3) تکنیک:

تکنیک طرز یا طریقے کو کہتے ہیں۔تکنیک سے مراد وہ طریقہ کار ہے جس کے تحت مصنف خیال و نظریات کو تحریر میں لاتا ہے۔تکنیک کو حکمت عملی بھی کہا جا سکتا یعنی کسی بھی کام کو کرنے کا طریقہ کار تکنیک ہے۔تکنیک ہمارے پاس انگریزی لفظ Technique سے لیا ہے۔اس سے مراد وہ فن یا طرز ہے جس کو اپناتے ہوئے مصنف اپنے نظریات کو بیان کرتا ہے۔تکنیک کے مختلف لغات میں درج ذیل معانی ہیں: "اردو لغت (تاریخی اصول پر)" میں تکنیک سے مراد فن، اصول فن، طریقہ کار، فنی قابلیت۔"

جہانگیر اردو لغت میں "کسی فن کے اصول ، گر یا آزمودہ طریقہ کار،ہنر مندی،انگریزی کے لفظ Techniqueکا مودہ۔" (46)

علاوہ ازیں قومی انگریزی اردو لغت میں تکنیک کی تعریف یوں کی گی ہے: "تکنیک: ڈھنگ، صنعت گری، مہارت، آداب فن۔"(47)

یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تکنیک وہ طریقہ کار ہے جو کسی بھی فن کار، مورخ یا مصنف اپنی تحریر لکھنے میں اپناتا ہے۔ تکنیک میں وہ ایسا طریقہ اپناتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنی بات، اپنے نظریات کو احسن انداز میں پیش کر سکے۔ یعنی تکنیک طرز بیان ہے۔ انگریزی لغات میں تکنیک کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

> "A technique is a particular method of doing an activity, usually a method that involves practical skills. ... tests performed using a new technique. method, way, system, approach."(48)

مختلف اقسام کی تحریروں کے لیے اپنائی جانے والی تکنیک بھی مختلف ہو سکتی ہے۔ یعنی ہر صنف اپنی ایک الگ طرز سے لکھی جاتی ہے۔ ہم مختلف اصناف یا موضوعات کو ایک ہی تکنیک کے ذریعے بیان نہیں کر سکتے بلکہ ہمیں ان کے مزاج اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے تکنیک بنانا ہوتی ہے۔ مختلف اردو اور انگریزی لغات سے ہمیں تکنیک کی یہی تعریف سمجھ آتی ہے کہ تکنیک وہ طریقہ کار ہے جس کو اپناتے ہوئے الفاظ کو کسی شکل میں ڈھالنا ہوتا ہے۔ انور جمال اپنی کتاب ادبی اصطلاحات میں تکنیک کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ "کہانی کا مواد جس طریقے سے ناول، افسانے یا نظم میں ڈھلتا جاتا ہے وہی تکنیک ہے۔"(49)

ادبی تاریخ نویسی میں بھی تکنیک بہت اہمیت کی حامل ہے۔ دوسری ادبی و غیر ادبی تحریروں کی تخلیق کی طرح تاریخ نویسی کے دوران مورخ جو راستہ اپناتا ہے، وہ تاریخ نویسی کی تکنیک ہے۔ یعنی تاریخ لکھنے کے لیے مورخ نقشہ بناتا ہے اور اس نقشے پر تاریخ کی عمارت کی تعمیر کرتا ہے، اس نقشے کو ہم ادبی تاریخ نویسی کی تکنیک کہیں

گے۔ کیوں کہ ارسطو کا کہنا ہے: "تکنیک سے مراد وہ طریقہ کار ہے جس سے فن کار اپنے موضوع کو پیش کرتا ہے۔"(50)

ارسطو کی بیان کردہ تعریف تکنیک کے معانی کو وسیع کر دیتی ہے اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں وہ طریقۂ تحریر جس کے تحت تاریخ نویسی میں مورخ تاریخ یا ادب کے حوالے سے معلومات کو صفحے پر اتارے گا وہ ادبی تاریخ نویسی کی تکنیک ہو گی۔ ادبی تاریخ ایک طرف ادب ہے اور ساتھ ہی تاریخ بھی۔ ادبی تاریخ محض واقعات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ وہ ادب، سماج، تاریخ اور ارتقا کے سفر کا یکجا بیان ہے، جس میں مورخ ان تمام پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے تاریخ لکھتا ہے۔ ادبی تاریخ نویسی میں تکنیک کے حوالے سے ہم جن پہلوؤں کا جائزہ لیں گے ان میں ترتیب، سماج اور مکاتب فکر یا سماجی تناظرات کی عکاسی شامل ہے۔

ترتیب سے مراد وہ نقشہ ہے جس کے تحت تاریخ لکھی جائے گی۔ تاریخ نویسی کی مختلف ترتیبات ہو سکتی ہیں۔ اب تک جن ترتیبات کے تحت تاریخ لکھی گئی ہے ان کا ذکر ذیل میں شامل ہے۔ زمانی ترتیب، مکانی ترتیب، صنفی ترتیب، شخصی ترتیب (عمومی ترتیب) ترتیب تاریخ نویسی کی تکنیک میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔ زمانی ترتیب میں ہم عہد بہ عہد واقعات کو بیان کرتے ہیں کہ کس زمانے میں کس تاریخ سے لے کر کس تاریخ تک لوگوں سے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ زمانی ترتیب میں واقعات کا بیان وقت کی ترتیب سے کیا جاتا ہے۔

مکانی ترتیب میں علاقے یا مکان یعنی کسی جگہ پر کون سے واقعات رونما ہوئے یعنی پنجاب میں اردو اس حوالے سے لکھنا مکانی ترتیب میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ پہلے تواریخ یا تذکرے جو تاریخ کی ابتدائی شکل تھے وہ شخصی یا صنفی اعتبار سے لکھے جاتے تھے، جن میں نام ور اشخاص کی ادبی تحاریر پر تذکرے یا مخصوص اصناف پر تاریخ لکھی جاتی رہی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں:

> "اردو کی تاریخوں میں بڑا تنوع ملتا ہے۔ بعض تاریخیں صرف نظم کی، بعض صرف نثر کی، بعض پورے ادب کا احاطہ کرتی ہیں۔ بعض کسی ایک علاقے یا دور کا، بعض جامع ہیں اور بعض "راہ دور عشق" کی پہلی منزل ہی میں دم توڑتی ہیں۔"(51)

جمیل جالبی ادبی تاریخ نویسی میں تاریخ کو علاقوں میں تقسیم نہیں کرتے، بلکہ ان کے مطابق ادبی تاریخ زبان وادب کے مجموعی مطالعے کا نام ہے،اس لیے وہ تاریخ لکھتے ہوئے زمانی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہیں اور ایک زمانے میں ادب اور زمان کا مختلف علاقوں کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں۔ وہ ادب اور زماں کو ایک علاقے تک محدود نہیں کرتے بلکہ ان کا عمومی طور جائزہ لیتے ہیں اور ادب کے ارتقا کے سفر کو بیان کرتے ہیں۔اس حوالے سے جمیل جالبی لکھتے ہیں :

"ادوار کی زمانی تقسیم کے ساتھ روایت کی تشکیل و تعمیر اور رد عمل و تبدیلی کو بنیادی طور پر سامنے رکھا جائے تاکہ زمانی ترتیب، روایت کا سفر اور روح ادب بیک وقت سامنے آ جائیں۔"(52)

گیان چند اس بارے میں لکھتے ہیں :

"آب حیات سے رام بابو سکسینہ کی تاریخ تک ارتقا کی ایک بڑی جست ہے اور رام بابو سکسینہ سے جمیل جالبی تک دوسری، جنھوں نے ادوار کے بجائے روایات کا دامن پکڑ کر تاریخ بیان کی ہے۔"(53)

جمیل جالبی نے ادبی تاریخ کی ترتیب کے حوالے سے کہا ہے کہ :"اردو ادب کی تاریخ مختلف جزیروں کی اکائی نہیں رہی بلکہ یہ ایک مربوط اکائی بن گی ہے۔"(54)

تاریخ نویسی کی تکنیک میں ترتیب کے علاوہ سماج ایک اہم حوالہ ہے کیوں کہ سماج کا ادب پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ ادب سماج کے اور سماج ادب کے حوالے سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ادب سماج میں ہی پروان چڑھتا ہے اس لیے ادب کی تاریخ کو ہم سماجی حالات و واقعات سے الگ نہیں کر سکتے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ہر عہد میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، جو ادب کو بھی متاثر کرتی ہیں اس لیے مورخ کو تاریخ نویسی میں ان تبدیلیوں کو بھی مد نظر رکھنا ہوتا ہے اور ان کا ذکر بھی تاریخ نویسی میں ضروری ہے تاکہ ادب اور سماج کے تعلق میں کوئی دوری نظر نہ آئے۔ اس حوالے سے جمیل جالبی رقم طراز ہیں:

"تاریخ ادب نہ صرف ادب کی بلکہ سماجی تبدیلیوں کے زیر اثر زبان و بیان کی تاریخ بھی ہوتی ہے۔ادب کی تاریخ میں تخلیقات کا مطالعہ بھی آجاتا ہے۔جنھوں نے اپنے دور میں معاشرے کو متاثر کیا اور سماجی تبدیلی کے ساتھ بے جان ہو کر تاریخ کی جھولی میں جا گریں۔"(55)

یعنی تاریخ ادب سماجی تبدیلیوں کے زیر اثر پروان چڑھتی ہے اس لیے اس میں سماج کا بیان اور ادب کا سماج کے ساتھ تعلق بھی واضح کرنا ضروری ہے کیوں کہ کسی بھی عہد کے ادیب کو دیکھا جائے تو اس پر اثر انداز ہونے والے سماجی رویوں سے ان کی تحریروں کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ جمیل جالبی کے خیال میں ادب میں زبان اور اس کے بولنے والوں کے تہذیبی، سیاسی، سماجی عوامل کا مطالعہ کیا جائے تو ادب ایک اکائی کے طور پر واقع ہوتا ہے ۔وہ مزید لکھتے ہیں:

"... اردو ادب کی تاریخ وہ آئینہ ہے جس میں ہم زبان اور اس کے بولنے والوں کی اجتماعی اور تہذیبی روح کا عکس دیکھ سکتے ہیں۔"(56)

ادب کی تاریخ میں سماجی علوم، فکر و نظر، حالات، تہذیبی و ثقافتی عناصر ادبی کی تاریخ کو مکمل کرتے ہیں کیوں کہ یہ وہ عوامل ہیں جو ادب کا حصہ بھی ہیں اور تاریخ کا بھی۔اس لیے ادبی تاریخ نویسی میں ہم سماجی عوامل کو نظر انداز نہیں کر سکتے بلکہ تاریخ کی تکنیک میں ان کا شمول لازم ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

"جب ہم کسی خاص ادبی دور کا تجزیہ کریں گے تو یہ تحریر محض ادب کے شعبے تک محدود نہیں رکھیں گے بلکہ ہم اس دور کے سماجی علوم اقتصادیات، دیومالا۔۔اس طرح ہم ادبی تاریخ کو ایک وسیع تناظر میں دیکھ سکیں۔"(57)

ادبی تاریخ نویسی میں تکنیک کے ہر اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس ترتیب کے علاوہ سماج یا سماجی تناظرات کی عکاسی بہت اہمیت کی حامل ہے، کیوں کہ سماج کے بنا تاریخ کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے،اس لیے تاریخ کو اس کے اصل مقام اور مفہوم کے ساتھ لکھنے کے لیے تناظرات کی عکاسی بھی لازم ہے۔ جمیل جالبی کی ادبی تاریخ نویسی میں بھی

سماجی تناظرات کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ وہ تاریخ کو ایک ایسی اکائی کا نام دیتے ہیں جو ادب اور سماج کی عکاسی کرتی ہے اور سماج کی آئینہ دار ہے۔

ادبی تاریخ نویسی ایک وسیع ترین موضوع ہے اور اپنے اندر بے شمار جہتیں رکھتا ہے۔ مختلف مورخین نے ادبی تاریخ نویسی کے دوران مخصوص اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تاریخ نویسی کے موضوع پر جاں فشانی سے کام کیا ہے۔ مگر اب تک کی ادبی تواریخ میں جمیل جالبی کی "تاریخِ ادبِ اردو" وہ واحد تاریخ ہے جس نے اس قدر وسیع پیمانے پر تاریخ کو اپنے اندر سمیٹا ہے اور نہ صرف آغاز سے اب تک کی تاریخ سمیٹی ہے بلکہ ان کی تاریخ نگاری ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں پر بھی پورا اترتی ہے۔ جمیل جالبی کی ادبی تاریخ نویسی کے حوالے سے گیان چند جین لکھتے ہیں : "ان کی مشقت ہی کا ثمر ہے کہ ہمیں ان کی تاریخ سے جتنی زیادہ معلومات حاصل ہوئیں اتنی کسی دوسری تاریخ ادب سے نہیں ہوئیں۔"(58)

مجوزہ مقالے میں منتخب تواریخ کا تقابل جن اصولوں کی بنیاد پر جمیل جالبی کی تاریخ سے کرنا ہے ان میں ماخذات ،اسلوب اور تکنیک شامل ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی ان اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے "تاریخ ادب اردو" مرتب کی ہے۔

تکنیک کے حوالے سے جمیل جالبی اردو ادب کو مختلف ادوار کے بجائے ایک مربوط تاریخ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سماج اور ادب کے درمیان خلا نہیں بناتے بلکہ ان کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کر کے بیان کرتے ہیں۔

جمیل جالبی ماخذات کے حوالے سے بھی تاریخ کے اصولوں کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ وہ واقعات اور سنین کی تحقیق کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مخطوطات اور مطبوعات کے حوالے بھی دیتے ہیں اور بنیادی مآخذ تک رسائی کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

جمیل جالبی ادبی تاریخ نویسی میں جو اسلوب اختیار کرتے ہیں اس میں تحقیق اور تنقید میں توازن نظر آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ الفاظ کے چناؤ میں بھی محتاط رہتے ہیں، واقعات میں ربط قائم کرتے ہیں اور تسلسل، جو کہ تاریخ کی خوبی ہے، کو اسلوب میں برقرار رکھتے ہیں۔

د۔ ادبی تاریخ نویسی کی روایت اور منتخب مؤرخین و ادبی تواریخ کا تعارف:

1) ادبی تاریخ نویسی کی روایت

تاریخ کا تعلق گزرے ہوئے واقعات کے بیان سے ہے تاریخ ان واقعات کا مجموعہ ہے جو معنی خیز ہوں اور مستقبل میں راہنما کا درجہ رکھتے ہوں ادبی تاریخ کا تعلق کسی قوم اور اس کی زبان سے ہوتا ہے۔ کسی مخصوص زبان کے ارتقا کا سفر اور اس میں تخلیق ہونے والے فن پاروں کا بیان ادبی تاریخ میں کیا جاتا ہے۔ ادبی تاریخ میں ان ادبی شخصیات کو شامل کیا جاتا ہے جو کسی زبان میں ادب تخلیق کرتے ہیں اردو زبان کی ادبی تاریخ میں بھی زبان کی ادبی تاریخ کو شامل کیا گیا ہے۔ جب کوئی زبان اپنے ارتقاء کے ابتدائی مراحل میں ہوتی ہے تو اس میں نثر کی نسبت شاعری زیادہ جنم لیتی ہے۔ دنیا کے دیگر ادب بھی شاعری سے نثر کی طرف آئے۔ اس لیے اردو تاریخ کی بنیاد بھی شاعری سے ہوئی اور بعد میں نثر کی تاریخ بھی لکھی گئی۔ اردو ادب میں ادبی تاریخ کی ابتداء تذکروں سے ہوتی ہے۔ تاریخ اردو ادب کا نکتہ آغاز یہی تذکرے ہیں۔ ابتداء میں ہندوستان پر فارسی زبان کا غلبہ تھا اس لیے زیادہ تر ابتدائی تذکرے فارسی زبان میں ہیں مگر ان تذکروں کا موضوع اردو شاعری اور اردو شعراء ہی تھے۔ ادبی تاریخ میں بہت سے تذکرے بہت اہمیت کے حامل ہیں جو اردو شعراء کے حوالے سے اہم معلومات کا ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ نویسی کی بنیاد بھی ہیں۔ چند معروف تذکرے مندرجہ ذیل ہیں:

نمبر شمار	تذکرے کا نام	مورخ کا نام
•	نکات الشعرا	میر تقی میر
•	مخزنِ نکات	قیام الدین قائم

•	تذکرہ ریختہ گویاں	فتح علی حسینی
•	طبقات الشعراء	قدرت اللہ شوق
•	تذکرہ شعرائے اردو	میر حسن
•	گلزارِ ابراہیم	علی ابراہیم خلیل

تذکروں کے بعد دوسرا اہم قدم "آب حیات" ہے محمد حسین آزاد "آب حیات" میں اردو ادب کے کلاسیکی شعرا ان کی ادبی خدمات اور ان کے ادبی مقام کا تعین کرتے ہیں۔ "آب حیات "تذکروں سے تاریخ کے درمیان ایک کڑی کی حیثیت بھی رکھتی ہے اور ادبی تاریخ کی بنیاد بھی ہے۔ آب حیات کے بعد اردو ادب کی تاریخ کی جو کتب سامنے آئیں ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں۔

نمبر شمار	کتبِ تاریخ	مورخین
•	اُردو کی تاریخ	چرنجی لال دھلوی
•	سیر المصنفین	محمد یحییٰ تنہا
•	گلِ رعنا	عبدالحہ
•	اُردو زبان کی تاریخ	جوئل واعظ لال
•	شعر الہند	عبدالسلام ندوی
•	دکن میں اردو	نصیر الدین ہاشمی
•	اُردوئے قدیم	شمس اللہ قادری
•	اربابِ نثر اُردو	سید محمد
•	تاریخ ادب اُردو	رام بابو سکسینہ
•	پنجاب میں اُردو	حافظ محمود شیرانی
•	اُردو شہ پارے	محی الدین قادری زور

•	A History Of Urdu Literature	گراہم بیلی
•	مختصر تاریخ ادب اُردو	ڈاکٹر اعجاز حسین
•	داستانِ تاریخ اُردو	حامد حسن قادری

اس کے علاوہ اردو ادب کی تاریخ کی روایت کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اردو ادب کی تواریخ کو مختلف صورتوں میں لکھا گیا ہے جیسے عمومی تاریخ نگاری، صنف وار تاریخ نگاری، علاقہ وار تاریخ نگاری، عہد وار تاریک نگاری اور اس کے علاوہ مستشرکین کی لکھی ہوئی ادبی تواریخ بھی ادبی تاریخ نویسی کی روایت میں اہمیت کی حامل ہیں۔ مجوزہ مقالے میں ہم منتخب تواریخ کے علاوہ چند دیگر اہم تواریخ کو تعارف بھی پیش کرتے ہیں۔

"آب حیات" از مولانا محمد حسین آزاد

"آب حیات مولانا محمد حسین آزاد کی تصنیف ہے جو 1888ء کو منظر عام پر آئی۔ آب حیات اردو تذکروں اور اردو تاریخ کے درمیان ایک کڑی کی حثیت رکھتی ہے۔" آب حیات' میں محمد حسین آزاد نے شاعروں کی تاریخ لکھی ہے۔ آپ نے شعراء کے حالات کو مفصل بیان کیا ہے۔ آب حیات میں تاریخ کو پانچ ادوار میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور اور ہر دور کے شعرا اور ان کے حالات و واقعات کا مفصل بیان کیا ہے۔ آپ ان کے حالاتِ زندگی ایسے بیان کرتے ہیں کہ منظر آنکھوں میں گھومنے لگتا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس کی بار بار اشاعت سے لگایا جا سکتا ہے۔ مذکورہ کتاب میں آغاز سے انیس و دبیر کے دور تک تمام تاریخ رنگین اسلوب کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔

تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ

تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ اردو ادب کی پہلی مکمل ادبی تاریخ ہے۔ رام بابو نے یہ تاریخ انگریزی زبان میں ‘A History OF Urdu Literature’ کے نام سے لکھی اور 1927 میں اردو بازار لاہور سے شائع ہوئی۔ اس میں 385 صفحات تھے یہ اردو ادب کی وہ ابتدائی تاریخ تھی جس مین نظم و نثر کی تاریخ کا انگریزی ادب کی تاریخوں کے مطابق جائزہ لیا گیا تھا۔ اس کتاب کو مرزا محمد عسکری نے انگریزی سے اردو زبان میں

ترجمہ کیا اور اس کو تبسم کاشمیری نے مرتب کیا۔ یہ کتاب انیس ابواب پر مشتمل ہے 4 ابواب حصہ نظم اور 15 ا بواب حصہ نظم کے حوالے سے ہیں۔ مورخ نے اس میں ادب کی تاریخ کو کہانی کی صورت میں لکھا ہے۔ محمد حسن عسکری جب تاریخ کا ترجمہ کرتے ہیں ہیں تو تاریخ کو جدید تحقیق کی روشنی میں از سرے نو مرتب کرتے ہیں اصل متن کے ساتھ حواشی بھی دیتے ہیں۔ اردو ادب کے ابتدائی تذکروں اور آب حیات کے بعد رام بابو سکسینہ کی تاریخ ادب اردو میں اہمیت کی حامل ہے اور اس کے بعد لکھی جانے والی تواریخ میں مستند ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

مختصر ادب اردو (ڈاکٹر اعجاز حسین ایم-اے-دی لیٹ)

ڈاکٹر اعجاز حسین کی کتاب "مختصر ادب اردو" کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۶ میں ہندوستان سے شائع ہوئی اس کتاب کی میں عہد اقبال تک کے نثر نگاروں اور شاعروں کا جائزہ لیا گیا ہے اس کے بعد اس کے متعدد ایڈیشن اضافے ترامیم کے ساتھ شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس کتاب کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں حصہ نظم اور حصہ نثر دونوں الگ الگ پیش کیے گے ہیں اس میں انہوں نے نظم و نثر کے تمام حوالوں کو شامل کرنے کی کوشش کی ہے کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے حصہ اول میں اردو شاعری ہے۔ جس کے دس ابواب ہیں ان میں جنوبی ہند، شمالی ہند اصلاح زبان کے شعرا سے لے کر احمد ندیم قاسمی اور فیض احمد فیض کے دور تک کے شعرا کے علمی قدر و قامت کا اندازہ لگایا ہے۔ حصہ نثر تاریخ کا عکاس جس میں اردو نثر کی تاریخ تحریر کی گی ہے ڈاکٹر اعجاز جس نے اپنی تحریر میں سادہ اور تحقیقی و تنقیدی اسلوب اختیار کیا ہے یہ کتاب تواریخ ادب اردو میں ایک اہم اضافہ ہے۔

داستان تاریخ اردو، (حامد حسن قادری)

حامد حسن قادری کی تصنیف داستان تاریخ اردو کا پہلا ایڈیشن (1 ۱۹۴) میں اور دوسرا اضافی شدہ ایڈیشن (۱۹۵۶) میں آیا اس کے بعد اس کتاب کے متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اس کتاب کے بار بار اشاعت اس کی شہرت کا ثبوت ہے اس کتاب کا اہم موضوع اردو نثر کی مفصل تاریخ ہے تاہم پہلا باب سیاست زبان اسلام اور تصوف پے ہے۔ مصنف نے اردو نثر کو چھ مختلف ادوار بیان کیے ہیں۔ اس کتاب میں اردو نثر نگاروں کی ادبی خدمات

کا تفصیلی بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تحقیق و تنقید کے لیے بھی ایک اہم کتاب ہے جس میں آغاز سے تحریک علی گڑھ اور اس کے بعد کچھ اہم مصنفین کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

اردو ادب (ڈاکٹر سید عبداللہ)

ڈاکٹر سید عبداللہ کی کتاب "اردو ادب ۱۸۵۶ تا ۱۹۶۶ تک کے تقریباً سو سالہ ادب کی تاریخ ہے اس کی طبع اول ستمبر ۱۹۴۷ میں لاہور سے شائع ہوئی اس کتاب کے تین ابواب ہیں جو اپنی اہمیت و افادیت کے لحاظ سے منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ پہلا باب ۱۸۵۷ سے جنگ عظیم اور تک کا ہے جس میں سر سید و رفقاء سر سید کے حلقہ سر سید کے باہر کا ادب، شاعری، نثر، ناول، ڈرامہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ دوسرا باب جنگ عظیم اول کے بعد ۱۹۱۶ سے ۱۹۳۶ تک ہے۔ جس میں زبان و ادب کی تاریخ کو بیان کیا ہے۔ اس کا تیسرا باب ۱۹۳۶ سے اب تک ہے جس میں نثر نظم ، گیت، غزل افسانہ وڈراماووں تنقید و تاریخ، سوانح اور دینی ادب اور افکار پر مشتمل ہے۔ سید عبداللہ کی کتاب میں ادبی تحریکوں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ادیبوں اور شاعروں کی سوانح لکھنے سے گریز کیا ہے۔ یہ کتاب انتہائی سادہ اور جامع انداز میں مرتب کی گی ہے۔

آج کا اردو ادب (ڈاکٹر ابواللیث صدیقی)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی کتاب آج کا اردو ادب پہلی بار ۱۹۷۰ میں لاہور سے شائع ہوئی۔ انہوں نے کتاب کا دیباچہ یا مقدمہ تحریر نہیں کیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے آٹھ ابواب پر اردو ادب کی تاریخ کو مرتب کیا ہے پہلے باب میں انہوں نے اردو زبان و ادب کے تخلیق کے اسباب کے حوالے سے واقعات کا بیان کیا ہے۔ اس کے بعد وہ ان واقعات کا بیان کرتے ہیں جن کا تعلق سماجیات سے ہے۔ دوسرا باب جدید شاعری پر ہے شاعری کے علاوہ وہ افسانوی ادب پر بحث کرتے ہیں یہ کتاب اس لیے اہمیت کی حامل ہے کیوں کہ مورخ نے اصناف ادب کے حوالے سے اردو ادب کا جائزہ لیا ہے۔

تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر ملک اختر حسین)

تاریخ ادب اردو ڈاکٹر ملک اختر حسین ۱۹۷۹ میں لاہور سے شائع ہوئی۔ یہ اردو ادب کے منفرد تاریخ ہے کیونکہ اس میں مصنف نے کتاب کو منفرد انداز میں ترتیب دیا ہے اور پوری تاریخ کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے اور اس کے تقریباً چونتیس ابواب ہیں۔ یہ کتاب اہمیت کی حامل ہے اس میں مصنف نے جدید تحقیق اور تنقید سے پورا فائدہ اٹھایا ہے اس میں ناصرف سیاسی وسماجی حالات کو بیان کیا ہے بلکہ اردو ادب پر اس کے اثر کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر سعید نورالدین)

ڈاکٹر ابو سعید نورالدین نے اردو نظم و نثر دو جلدوں میں تاریخ ادبیات اردو" کے عنوان سے تحریر کی ہے۔ حصہ اول میں اردو نثر کے آغاز وارتقاء پر مشتمل گفتگو ہے جبکہ دوسری جلد شاعری کے حوالے سے پہلی جلد میں تیرویں صدی سے لے کر بیسویں کے وسط تک ساڑھے سات سو سال کی تاریخ نثر کو پیش کیا ہے پہلی جلد پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب میں اردو نثر کا آغاز اور اس کی ابتدائی نشو نما، دوسرا باب میں شمالی ہند کی اردو نثر کے ارتقاء کو بیان کیا گیا ہے تیسرے باب میں فورٹ ولیم کالج کی نثری خدمات پر بحث کی گی ہے۔ چوتھے باب کو اردو نثر میں املای اقدام کا نام دیا گیا ہے اور کتاب کی پہلی جلد کا آخری باب افسانوی ادب پر مشتمل ہے۔

تاریخ ادبیات اردو (حصہ دوم) اردو شاعری کی طویل داستان ہے اس کتاب کا حصہ اول اردو نثر پر مبنی ہے اور حصہ دوم میں مصنف نے چھٹے باب سے ابواب کا آغاز کیا ہے۔ دوسرے حصے میں پہلا باب اردو نظم (شاعری) کے آغاز وارتقاء سے متعلق ہے حصہ دوم میں تقریباً تمام شعراء کے حالات احوال کے کلام پر روشنی ڈالی ہے انہوں نے اردو نظم کے ارتقاء پر جامع روشنی ڈالی ہے۔ ان کی کتاب عمومی تاریخ نگاری میں اہمیت کی حامل ہے مصنف سادہ خوش کن اور شگفتہ انداز میں تاریخ تحریر کی ہے۔

2) منتخب مؤرخین وادبی تواریخ کا تعارف:

"اردو ادب کی تاریخ (ابتدا سے 1857)" از تبسم کاشمیری:

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا اصل نام محمد صالحین ہے۔آپ اردو ادب میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے نام سے جانے جاتے ہیں، تبسم آپ کا تخلص بھی ہے۔آپ جنوری 1940ء میں امر تسر میں پیدا ہوئے۔آپ نے اورینٹل کالج لاہور سے ایم اے اردو کیا اور بعد میں پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی۔اس کے بعد شعبہ درس و تدریس سے وابستہ رہے۔تدریس کے حوالے سے ایم اے او کالج یونیورسٹی، اورینٹل کالج اور اوساکا یونیورسٹی آف ایجوکیشن میں درس و تدریس کی خدمات سر انجام دی۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اردو ادب میں مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔آپ نے شاعری، تراجم، ناول نگاری، تنقید اور ادبی تاریخ کے میدان میں اپنے جوہر دکھائے۔ مذکورہ موضوعات پہ آپ کی تقریباً بیس کتب ہیں۔ آپ کا اہم حوالہ "اردو ادب کی تاریخ (ابتداء سے 1859)" ہے، جس کی پہلی جلد 2003ء میں شائع ہو گئی تھی۔ آپ کو جاپان فاونڈیشن نے خصوصی اعزاز سے بھی نوازا اور حکومت پاکستان نے بھی صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی عطا کیا۔ ویکی پیڈیا کے مطابق: 2005ء میں آپ اوساکا یونیورسٹی سے ریٹائرڈ ہوئے اسی برس جاپان فاونڈیشن نے انھیں ایک خصوصی ایوارڈ دیا۔"(59)

ریختہ کے مطابق:

> "حکومت پاکستان نے ان کی خدمات کے اعتراف میں 14 اگست 2014 ء کو انھیں صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی عطا کیا۔"(60)

دسمبر بمطابق ٹیلیفونک انٹرویو تبسم کاشمیری حال میں لاہور میں قیام پذیر ہیں ۔

"اردو ادب کی تاریخ (ابتدا سے 1857 تک)" تبسم کاشمیری کا شہ کار ہے جو 2003ء میں منظر عام پر آئی۔ تبسم کاشمیری نے اس کتاب کا انتساب اپنے مرحوم اساتذہ "پروفیسر حمید احمد خان اور پروفیسر سجاد باقر رضوی کی یاد میں" کے نام کیا ہے۔اردو ادب کی یہ تاریخ کل 19 ابواب پر مشتمل ہے اور 812 صفحات پر محیط ہے۔ تبسم

کاشمیری نے تاریخ میں ابواب بندی زمانی ترتیب سے کی ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے زبان کی ابتدا 1000ءکے آس پاس سے لے کر 1857ء تک زبان وادب کا جائزہ لیا ہے۔اس کتاب میں تکنیک کے حوالے سے زمانی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے۔اس کتاب میں ابواب بندی بھی زمانی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے پہلے زبان کی ابتدااور اس کے ارتقا کا سفر بیان کیا ہے۔ زبان کے ارتقائی سفر کو بیان کرتے ہوئے وہ زبان میں تخلیق ہونے والے ادب اور ادب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہیں۔تاریخ زبان وادب کے ارتقا کے امتزاج سے تحریر کرتے ہیں،اسی لیے ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی یہ تاریخ روایتی تواریخ سے ہٹ کر ہے۔ تبسم کاشمیری نے اسے تحریر کرتے ہوئے ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کو مد نظر رکھا ہے۔ آپ تاریخ کو سماج کے ساتھ جوڑتے ہوئے ادب کا جائزہ لیتے ہیں۔آپ ادبی تاریخ کو زمانی ترتیب سے لکھتے ہیں اور ایک زمانے میں مختلف جگہوں پر ہونے والی ادبی و سماجی تبدیلیوں کا ذکر بھی کرتے ہیں اور اس عہد میں سامنے آنے والے ادبی شاہ کار کو بھی تاریخ کا حصہ بناتے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں:

> " تبسم کاشمیری نے پورے ادب کو ایک اکائی کی طرح دیکھا اور سمجھا ہے اور اسی اعتبار سے اسے تولنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے۔"(61)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی یہ تاریخ اردو ادب کی اہم تواریخ میں شمار کی جاتی ہے کیوں کہ تاریخِ ادبِ اردو تحریر کرتے وقت تبسم کاشمیری نے زمانی ترتیب کے ساتھ ساتھ ان عہد کے واقعات اور ادب کے اصل ماخذات تک بھی رسائی حاصل کی ہے۔ وہ تاریخ ادب اردو میں ادبی اسلوب انتخاب کرتے ہوئے صنفی اسلوب کو بھی نظرانداز نہیں کرتے ہیں۔آپ نے یہ تاریخ لکھتے ہوئے تاریخ نویسی کی جدید طرز کو اپنایا ہے۔آپ نے واقعات کی چھان بین اور ان کی تلاش میں اصل ماخذات تک رسائی کے ساتھ ساتھ ان کے نتائج بھی اخذ کیے ہیں۔اردو ادب کی تواریخ میں تبسم کاشمیری کی تاریخ جدید اور منفرد تاریخ ہے۔

"اُردو ادب کی مختصر تاریخ" از انور سدید:

ڈاکٹر انور سدید کا اصل نام محمد انوار الدین ہے، آپ 4 دسمبر 1928ء کو سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں سے حاصل کی، مزید تعلیم کے لیے لاہور منتقل ہوئے۔ آپ کا رجحان ادب کی طرف تھا مگر والدین ان کو انجینئر بنانا چاہتے تھے۔ آپ نے عملی زندگی کا آغاز محکمہ آب پاشی میں کلرک کی حیثیت سے کیا، بعد میں ایکشن ڈیپارٹمنٹ میں سب انجینئر کی ملازمت پر فائز ہوئے اور 60 برس پورے ہونے پر 1988ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔

آپ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ ملازمت کسی اور شعبے میں کرنے کے باوجود ادب سے دلچسپی کے سبب ادب سے وابستہ رہے۔ اس شوق کی زد میں آپ نے بچوں کی کہانیاں لکھیں، افسانے لکھے اور بعد میں تنقید بھی لکھنے لگے۔ آپ صحافت کے پیشے سے بھی منسلک رہے۔ مختلف رسائل کے مدیر کی حیثیت سے اپنی خدمات پیش کیں، کالم لکھنے لگے تو بہترین کالم نگار قرار پائے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر تقریباً 88 کتب تصنیف و تالیف کی ہیں۔ ریختہ کے مطابق:

> "انور سدید: ممتاز پاکستانی نقاد، محقق، شاعر، کالم نویس، اردو ادب کی تحریکیں اور اردو افسانے میں دیہات کی پیش کش کے علاوہ: کئی اہم اخبارات اور ادبی رسالوں کو ادارتی تعاون دیا ہے۔" (62)

آپ کی بے شمار ادبی خدمات کے سبب آپ کو صدر پاکستان کی جانب سے "تمغہ امتیاز" سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ آپ کا اہم حوالہ "اردو ادب کی مختصر تاریخ" بھی ہے۔ 2003ء میں انھوں نے ایک سال میں 255 کتابوں پر تبصرے لکھ کر نیا ریکارڈ قائم کیا۔ تنقید یا انشائیہ نگاری، شاعری اور کالم نگاری آپ کی اہم اصناف ہیں 20 مارچ 2016ء کو آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

"اردو ادب کی مختصر تاریخ"، جس کے مورخ انور سدید ہیں، 1991ء میں منظر عام پر آئی۔ اردو ادب کی مختصر تواریخ میں یہ کتاب اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب کا انتساب میر عزیز شاہ بخاری (مرحوم) کے نام ہے۔ اب

تک اس کتاب کے دس ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1991 ءاور آخری ایڈیشن 2013ء,2014ءمیں منظر عام پر آیا۔یہ کتاب تیرا ابواب پر مشتمل ہے اور کتابیات کو ملا کر اس کتاب کے کل صفحوں کی تعداد 720 ہے۔فہرست مضامین میں عرض سدید (طبع پنجم)،اردو ادب کی مختصر تاریخ (رحمان مذنب)،عرض سدید(طبع اول) اور تیرہ ابواب شامل ہیں۔ہر باب میں ذیلی عنوانات کے تحت تاریخ کو بیان کیا گیا ہے۔ انور سدید نے ادبی تاریخ لکھتے ہوئے زمانی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا ہے مگر ان کا انداز مختلف ہے۔اس زمانی ترتیب میں اصناف اور رجحانات کے ذیلی عنوانات کے تحت تاریخ لکھتے ہیں۔انور سدید نے اس تاریخ کو لکھتے ہوئے اختصار اور احتیاط دونوں کو مد نظر رکھا ہے۔اردو ادب کے حوالے سے اہم اشخاص و اصناف کو زمانی ترتیب سے لکھا ہے۔اس میں وہ اردو زبان کے آغاز سے بیسویں صدی تک اردو زبان و ادب کی تاریخ رقم کرتے ہیں۔ انور سدید کی یہ کتاب اختصار اور جامعیت کی وجہ سے اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔اس کتاب میں انور سدید نے دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی ہے اور ادب کے حوالے سے اس کے موضوعات کو بھی تاریخ میں شامل کیا ہے جو اس سے قبل تاریخ کا حصہ نہیں تھے۔ سجاد نقوی ان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"میری نظر میں اس کتاب کی بنیادی خوبی اردو ادب کا سلسلہ وار منظر نامہ ہے۔جو سادہ اور عام فہم زبان میں بڑے اختصار سے پیش کیا گیا ہے۔"(63)

یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ اردو ادب کی اہم مختصر تاریخ ہے۔تقابل میں تاریخ کا آغاز سے لیکر 1900 تک کا عرصہ شامل ہے۔

"اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" از ڈاکٹر سلیم اختر:

ڈاکٹر سلیم اختر 11 مارچ 1934 ءکو لاہور کے مقام پر پیدا ہوئے۔آپ نے میٹرک، ایف اے اور بی اے راولپنڈی سے کیا اور ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی لاہور سے حاصل کی۔ تعلیم کے بعد شعبہ

تدریس سے منسلک ہو گئے اور مختلف ادبی رسالوں کی نگرانی بھی کرتے رہے۔ آپ کا شمار اردو ادب کے ان ناموں میں ہے جو ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں، آپ نقاد بھی تھے اور تخلیق کار بھی۔ آپ نے افسانہ نگاری میں طبع آزمائی کی اور استاد کا پیشہ اختیار کیا۔

آپ کی تصانیف اقبالیات، لسانیات، تنقید، سفر نامہ، نفسیات اور افسانہ کے موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں، ان حوالوں سے آپ کی تقریباً 50 کتب ہیں۔ مگر آپ اردو ادب میں اردو ادب کی مختصر تاریخ کے حوالے سے شہرت رکھتے ہیں، ویکی پیڈیا کے مطابق

> "ڈاکٹر سلیم اختر (11 مارچ 1934- 30 دسمبر 2018) پاکستان کے نامور نقاد، افسانہ نگار، ماہر لسانیات، ادبی مورخ، معلم اور محقق تھے جو اپنی کتاب اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔"(64)

آپ کو گراں قدر ادبی خدمات کے اعتراف میں 2008 ء میں حکومت پاکستان کی جانب سے صدارتی اعزاز برائے حسن کارکردگی سے بھی نوازا گیا ہے۔ آپ 30 دسمبر 2018 ء کو دنیا کو خیر آباد کہہ گئے۔ "اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" کے مورخ سلیم اختر ہیں، اس کتاب کا انتساب " سائیکی سلیم، ارم سلیم اور جورت سلیم کے نام" کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ ہونے کی وجہ بہت مشہور ہے اور اب تک اس کتاب کے بیس ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ کتاب کا بیسواں ایڈیشن 2018ء میں منظر عام پر آیا ہے اور زیادہ تر ایڈیشن نئی ترامیم اور اضافے کے ساتھ سامنے آئے ہیں۔

یہ کتاب 719 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب میں اردو زبان و ادب کے آغاز سے لے کر 2010ء تک کے ادبی سفر کو بیان کیا گیا ہے۔ اس تاریخ میں ڈاکٹر سلیم اختر نے منظر نامہ میں مختلف طرز اپنایا ہے تاریخی یا زمانی ترتیب کے بجائے انھوں نے مختلف عنوانات کے تحت تاریخ لکھی ہے۔ اردو ادب کی اس تاریخ میں ابواب بندی کا

انداز بھی باقی تواریخ سے منفرد ہے۔ آپ اس میں فہرست "ترتیب" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ پیش لفظ اور مقدمہ تاریخ ادب۔۔۔ مقاصد و محرکات کے بعد نمبر کا اندراج کرتے ہوئے مختلف عنوانات کے تحت ذیلی عنوان لکھتے ہیں۔ اس تاریخ میں سلیم اختر نے زمانی تاریخی ترتیب کے بجائے موضوعاتی یا صنفی ترتیب سے تاریخ کو لکھا ہے۔

ہ۔ڈاکٹر جمیل جالبی کی ادبی تاریخ نویسی:

تعارف:

ڈاکٹر جمیل جالبی کا پورا نام محمد جمیل خان بن محمد ابراہیم خان یوسف زئی تھا۔آپ کا قلمی نام ڈاکٹر جمیل جالبی ہے۔
جمیل جالبی کے قلمی نام کے بارے میں عبدالعزیز ساحر لکھتے ہیں:

> "جمیل جالبی کے زمانہ طالب علمی میں ہی انھوں نے اپنا نام جمیل جالبی کر لیا تھا۔ جالبی نے اپنے نام کے ساتھ یہ لاحقہ اردو کے معروف صحافی سید جالب دہلوی سے متاثر ہو کر لگایا ان کی غیر معمولی شہرت اور ان کے ذکر کی وجہ سے وہ جمیل جالبی کی پسندیدہ شخصیت تھے جب جالبی نے ادب کی دنیا میں قدم رکھا تو نام کے ساتھ جالبی عبد العزیز بھی لگایا۔"(65)

جمیل جالبی 12 جون 1929ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم سہانور گورنمنٹ کالج سے حاصل کرنے کے بعد میرٹھ کالج سے ایف اے اور بی اے کا امتحان پاس کیا۔سندھ یونیورسٹی کراچی سے اردو اور انگریزی میں ایم۔اے کیا۔یہیں سے ایل ایل بی بھی کیا۔سندھ یونیورسٹی جام شورو سے پی ایچ ڈی بھی کیا اور ڈی لٹ سے نوازے گئے۔ پہلے پہل شعبہ درس وتدریس سے منسلک رہے۔مقابلے کے امتحان میں کامیابی کے بعد انکم ٹیکس میں کمشنر کی حیثیت سے اپنی خدمات سرانجام دیں۔آپ نے ادارہ فروغ قومی زبان میں بحیثیت چیئرمین اور اردو لغت بورڈ میں صدر کے طور پر بھی اپنی خدمات سرانجام دی۔

اردو زبان وادب میں ڈاکٹر جمیل جالبی بطور محقق، نقاد، مترجم، تاریخ نویس، مدون اور لغت نویس منفرد مقام رکھتے ہیں۔اس حوالے سے جمیل جالبی کی 34 سے زائد کتب ہیں۔آپ نے اردو ادب میں جس نوعیت کا کام کیا

اور جتنے مختلف پہلوؤں سے کیا وہ قابل داد ہے، آپ کی چند معروف تصانیف میں "ارسطو سے ایلیٹ تک، ایلیٹ کے مضامین، نئی تنقید، لغات میں، فرہنگ اصطلات، قومی انگریزی اردو لغت" شامل ہیں۔ جمیل جالبی کا بڑا اور اہم کارنامہ تاریخ ادب اردو، جلد اول تا چہارم ہے۔ جمیل جالبی نے اردو ادب کی ایک مکمل تاریخ لکھ کر اردو ادب کو بیش قیمتی سرمائے سے مالا مال کر دیا ہے۔ جمیل جالبی کی یہ تاریخ اردو ادب میں بہت اہمیت کی حامل ہے اور اب تک کی مکمل تاریخ ہے۔ جمیل جالبی کو ان کی ادبی خدمات کی بنیاد پر مختلف اعزازت سے بھی نوازا گیا ہے۔ جس میں داؤ ادبی ایوارڈ، ستارہِ امتیاز، ہلال امتیاز اور یونیورسٹی گولڈ میڈل شامل ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کے سب سے بڑے ادبی انعام "کمال فن ادب" انعام کے حق دار بھی ٹھہرے۔ آپ 89 سال کی عمر میں 8 اپریل 2019 ء کو اس جہان فانی کو خیر باد کہہ گئے۔

تاریخِ ادبِ اردو

جمیل جالبی کی "تاریخِ ادبِ اردو" چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ جمیل جالبی کی یہ تاریخ اردو ادب کا سرمایہ ہے۔ جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو جلد اول (قدیم دور آغاز سے 1750ء) تک محیط ہے۔ تاریخ ادب اردو کی اس جلد کی اشاعت اول جولائی 1975ء میں ہوئی اور طباعت ہفتم 2008 ء ستمبر میں ہوئی۔ اس جلد کا انتساب انھوں نے اپنی آپا کے نام کیا ہے۔

تاریخ ادب کی یہ جلد 791 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد میں اردو زبان کے آغاز اور ارتقا کے حوالے سے مفصل بحث کی ہے۔ جمیل جالبی نے تاریخ نگاری میں زمانی یا تاریخی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ ان کی تاریخ کی ترتیب یا ابواب بندی کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے تاریخ کو "فصلوں" میں تقسیم کیا ہے۔ ہر فصل میں ذیلی ابواب بندی کی گئی ہے جلد اول میں چھ فصل ہیں۔ وہ اردو کے ارتقا کا سفر بیان کرتے ہوئے مختلف ادوار میں اردو کا جائزہ لیتے ہیں مگر اس کے لیے وہ زمانی ترتیب کی سیڑھی سے چڑھتے جاتے ہیں۔ "تاریخ ادب اردو" کی جلد دوم میں اردو ادب کے ارتقا کا سفر اٹھارویں صدی کے حوالے سے ہے۔ اس جلد کی اشاعتِ اول جون 1982ء میں ہوئی اور اشاعتِ ششم اپریل 2009ء میں ہوئی۔ جلد دوم کا انتساب انھوں نے اپنے بیٹے سہیل جالبی

کے نام کیا ہے۔ اس میں پیش لفظ کے بعد تمہید کے دو ابواب شامل ہیں اور سابقہ جلد کی طرح اس جلد کو بھی چھ فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر فصل میں ذیلی ابواب اور پھر ہر باب میں ذیلی عنوانات کے تحت تاریخ لکھی گئی ہے۔ یہ جلد کل 1246 صفحات پر مشتمل ہے۔

تاریخ ادب اردو کی تیسری جلد انیسویں صدی کے نصف اول تک ہے اس جلد کی اشاعت اول جون 2006ء اور اشاعت دوم اپریل 2008ء میں ہوئی۔ اس جلد میں بھی گزشتہ دو جلدوں کی طرح ابواب بندی کی گئی ہے اور یہ جلد 1095 صفحات پر مشتمل ہے۔

تاریخ ادب اردو کی جلد چہارم کی اشاعت اول فروری 2012ء میں ہوئی ہے۔ یہ پہلی تین جلدوں سے زیادہ بڑی ہے۔ اس میں بھی زمانی ترتیب کے حوالے سے تاریخ کو فصلوں میں تقسیم کر کے ذیلی عنوانات کے تحت مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہ 1625 صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں نصف آخر سے بیسویں صدی تک کی تاریخ محفوظ کی گی ہے۔ تقابل کے لیے جمیل جالبی کی لکھی گئی تاریخ کا 1900ء سے قبل یعنی 1899ء تک کا حصہ دیکھا جائے گا۔

جمیل جالبی کی ادبی تاریخ نویسی

اردو ادب کی اب تک لکھی جانے والے تواریخ کا جائزہ لیا جائے تو جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو اردو ادب کا بڑا اہم سرمایہ اور جمیل جالبی کا کام ہے۔ یہ اب تک کی ایک مکمل تاریخ ہے جس میں جمیل جالبی نے اردو زبان و ادب کے آغاز سے ارتقا کا سفر مفصل انداز میں تسلسل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ جمیل جالبی نے فرد واحد کے طور پر ایک ادارے کی ذمہ داری سرانجام دی ہے کیوں کہ اب تک اردو ادب کی کوئی تاریخ اتنے بڑے عرصے اور ادب کے حصے کو نہیں گھیرے ہوئے ہے۔ تاریخ ادب اردو کی اہمیت کے بارے میں گیان چند جین لکھتے ہیں:

> "اردو ادب کی تاریخ نویسی کی ابتدا "آب حیات" سے ہوئی جس کے بعد سب سے اہم سنگ میل رام بابو سکسینہ کی تاریخِ اردو ادب اور جمیل جالبی کی تاریخ اردو ادب ہیں۔"(66)

اردو ادب کی تاریخ میں جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ اس تاریخ کی چار جلدیں ہیں اور اس میں جمیل جالبی نے زمانی ترتیب کو مد نظر رکھا ہے اور " فصلوں" میں تقسیم کرتے ہوئے ذیلی ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ انھوں نے تاریخ کو فصلوں میں تقسیم کرنے کے بعد ذیلی عنوانات کے تحت مختلف عہد وار، تاریخ ادب کو تحریر کیا ہے جو کہ تاریخ ادب اردو کو مفصل بنانے کے ساتھ ساتھ پیچیدہ بھی بناتا ہے۔ یعنی ایک فصل کے اندر مزید ابواب بنائے ہیں جو تاریخ سمجھنے میں اتنا آسان نہیں ہے۔ اس حوالے سے گیان چند جین لکھتے ہیں کہ :" کتاب کے ذیلی اجزا کی دوہری تقسیم، پہلے فصل ابواب بھی الجھن کا باعث ہے۔ "(67)

جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو اس پیچیدگی کے باوجود روایت کو بہترین طور پر بیان کرتی ہے۔ زمانی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ روایت کو بہتر طور پر بیان کرتے ہیں۔ گیان چند جین مزید لکھتے ہیں: "اس کے باوجود یہ ماننا ہوگا کہ ان کے یہاں دور اور علاقوں میں جس قدر اتحاد اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے اس قدر کسی دوسری تاریخ میں نہیں۔"(68)

ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کو مد نظر رکھا جائے تو جمیل جالبی نے اس میں زمانی یا تاریخی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا ہے وہ تاریخ نویسی میں مختلف ادوار کا ذکر تو کرتے ہیں مگر اس کو بھی زمانی ترتیب کی ذیل میں کرتے ہیں۔ اس حوالے سے جمیل جالبی کا کہنا ہے: "اردو کی تاریخ جزیروں کی تاریخ نہیں رہی بلکہ مربوط اکائی بن گی ہے۔"(69)

جمیل جالبی نے ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کو تاریخ میں احسن طریقے سے برتا ہے ترتیب کے علاوہ وہ تکنیک میں سماج کو ادب اور ادبی تاریخ سے جدا نہیں کرتے بلکہ تاریخ کو سماج کے تناظر میں دیکھتے ہوئے ادب اور سماج کے امتزاج سے تاریخ ادب اردو تحریر کرتے ہیں۔ یوں ان کی تاریخ تکنیک کے حوالے سے بھی اعلیٰ پائے کی اور منفرد تاریخ ہے۔ وہ تاریخی شعور، سماجی واقعات اور ان کے زیر اثر پروان چڑھنے والے ادب کا جائزہ تاریخ ادب اردو میں پیش کرتے ہیں اس حوالے سے وہ تاریخ ادب اردو میں لکھتے ہیں کہ "اردو ادب کی تاریخ وہ آئینہ ہے جس میں ہم زبان اور اس کے بولنے والوں کا اجتماعی اور تہذیبی روح کا عکس دیکھ سکتے ہیں۔"(70)

تقابل کے لیے بنائے گئے اصولوں کے مطابق تواریخ کو دیکھنے کا دوسرا اہم نظریہ ماخذات کا ہے کہ ادبی تواریخ میں ماخذات کو کس حد تک دیکھا گیا ہے۔ تاریخ نویسی میں ماخذات خاص اہمیت کے حامل ہیں اور بنیادی ماخذات تک رسائی بھی ضروری ہے۔ماخذ کے اندراج میں بنیادی اور ثانوی ماخذات تک رسائی ضروری ہے مگر زیادہ بہتر یہی ہے کہ بنیادی ماخذات کو دیکھا جائے۔ جمیل جالبی نے تاریخ مرتب کرتے ہوئے زیادہ تر بنیادی ماخذات اور ان کی عدم دستیابی کی صورت میں ثانوی ماخذات کو بھی شامل کیا ہے۔اس حوالے سے گیان چند جین کا کہنا ہے کہ " جمیل جالبی نے نمونے درج کرتے وقت کس کثرت سے اصل ماخذوں کو دیکھا ہے۔۔۔اتنے کسی دوسری تاریخ میں نہیں ہیں۔"(71)

اس کے علاوہ اسلوب کو تقابل کے حوالے سے بہ طور اصول منتخب کیا گیا ہے۔ جمیل جالبی نے ادبی تاریخ نویسی میں تاریخ کے مطابق اپنا اسلوب اختیار کیا ہے۔ انھوں نے اسلوب میں اپنا منطقی انداز، تسلسل اور روانی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔اس میں ان کی تاریخ نگاری کا سلسلہ اسلوب کی وجہ سے مربوط اور رواں ہے۔ اہم اور ضروری واقعات کی وضاحت بھی اسلوب کا جامہ ہے۔ جمیل جالبی کے ہاں کچھ واقعات کا بیان بہت تفصیل سے کیا گیا ہے مگر وضاحت تاریخ کی بنیاد ہے۔یوں ادبی تاریخ نویسی کے اسلوب کے جن خصائص کا ہونا تاریخ کا تقاضا ہے ان میں تسلسل، روانی، وضاحت اور انداز تحریر کی شگفتگی ہے جو کہ جمیل جالبی کی تاریخ میں نمایاں ہے۔

و۔تقابل کے بنیادی مباحث:

تقابل کی لفظ ''مقابلے'' سے نکلا ہے اور مقابلہ ہمیشہ برابر کی باہم پلہ چیزوں کا ہوتا ہے۔تقابل سے مراد دو ہم پلہ اور ہم سر اشیا کے اشتراکات اور افتراقات کا باہم موازنہ کرنا ہے اور نتیجتاً ایک کے مقابلے میں دوسری کے معیار کا تعین کرنا، نیز پہلے سے مختص کسی پیمانے کے مطابق دونوں کا باہم موازنہ کر کے کوئی مقام متعین کرنا بھی تقابل میں شامل ہے۔

ادب میں تقابلی مطالعہ ایک تعلیمی شعبہ ہے۔اسے تقابلی ادب بھی کہا جاتا ہے۔یہ شعبہ بین الاقوامی تعلقات کے شعبے کی طرح کام کرتا ہے۔یہ ادبی اور ثقافتی تاثرات کو لسانی، قومی، جغرافیائی حدود کے مطابق دیکھتا اور پرکھتا

ہے۔ یہ کام تو آئی آر یعنی بین الاقوامی تعلقات کے شعبے کی طرح کرتا ہے مگر زبان اور روایات کے تناظر میں ایسے کام کرتا ہے کہ ادب کے اندر ثقافتی عناصر اور دیگر لسانی عناصر واضح ہو جاتے ہیں۔ یہ تقابل دو مختلف زبانوں کے ادب کے مابین بھی ہو سکتا ہے اور ایک ہی زبان کے دو ہم پلہ ادب پاروں کے مابین بھی۔ تقابلی ادب کے شعبے سے وابستہ طلبا اور اساتذہ یا ماہرین ماہرینِ تقابل یا کمپیر اٹسٹ کہلاتے ہیں۔ انہیں کئی زبانوں پر مہارت ہوتی ہے۔ نیز دیگر زبانوں کے سماجی عناصر اور بنیادی روایات سے بھی خاطر خواہ واقفیت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں متعلقہ ادب کی زبانوں اور ثقافتی پہلوؤں کے ساتھ تنقیدی رویوں اور رجحانات سے بھی آشنائی ہوتی ہے۔ تقابل عموماً تاریخ، اینتھروپولوجی، ترجمہ نگاری، تنقیدی نظریات، مذہبی تعلیمات اور عمرانیات جیسے پہلوؤں پر ہوتا ہے۔ برطانیہ کی ایک پروفیسر اس بارے میں لکھتی ہیں:

> "تقابلی ادب مختلف تقاضوں کے متون کا مطالعہ ہے۔ ایک کثیر العلمی مضمون ہے جس کا تعلق زبان و مکاں کے بُعد میں پیدا ہونے والے ادب کے درمیان رشتوں کے نقوش سے متعلق ہے۔"(72)

کلیم الدین احمد تقابل کو تنقید کا لازمہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ تقابل، تجزیہ، فرق و امتیاز اور تعینِ قدر تنقید کے چار پہلو ہیں۔ چارلس ملز گئے لی تقابلی ادب کا دائرہ کار مختص کرتے ہوئے یوں گویا ہوتے ہیں کہ تقابلی ادب کے طالب علم کے دائرہ کار میں شامل ہے کہ وہ ادب کا فکرِ انسانی کے ایک واضح اور داخلی جزو کے ذریعے اور بنی نوع انسان کے ادارہ جاتی اظہار کے طور پر مطالعہ کرے۔ مختلف النوع ادب کے درمیان فرق کی وجہ سے انسانوں کے درمیان نسلی، تاریخی، ثقافتی اور لسانی اثرات، موقع اور پابندیاں در آتی ہیں۔ انہی کا تجزیہ تقابلی جائزے کے تحت کیا جاتا ہے۔

تقابل کی اقسام:

- بیانیہ تقابل
- اقداری تقابل

بیانیہ تقابل: دو محسوس اور ٹھوس چیزوں کا مخصوص خصوصیات کی بنا پر کیا جانے والا تقابل بیانیہ تقابل کہلاتا ہے۔ تقابل کی اس قسم میں دو ٹھوس اشیا میں صفات، رنگ، ضخامت اور حجم وغیرہ کا باہمی تقابل کر کے نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔ اس کے لئے ہم اگر عمارتوں کی مثال لیں تو دو عمارتوں کے درمیان نقشے آرائش طرزِ تعمیر اور تعمیر کے لئے استعمال کیے جانے والا مواد کا تقابل بیانیہ تقابل کہلاتا ہے۔

اقداری تقابل: تقابل کی اس قسم میں ایک مرکزی اور بنیادی پیمانہ بنایا جاتا ہے ایک مرکزی Standard Line بنائی جاتی ہے۔ اصول وضوابط کے تحت دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا ایک مرکزی پیمانے کی بنیاد پر تقابل کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک معیاری نظم کا معیار تیار کر کے دو نظموں کو ایک مرکزی معیار پر پرکھا جاتا ہے اور نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔ کون سی نظم شاعری کے اصولں پر پورا اترتی ہے فرض کر لیا جائے کہ نظم کا بنیادی ضابطہ اس کی وسعت ہے۔ اس ضابطے کے خاطر میں دو نظموں کا تقابلی جائزہ لیا جائے گا کہ کونسی نظم اس ضابطے کے قریب ہے وہ اعلیٰ ہو گی اور جو دور ہو گی وہ کمزور ہو گی۔

تقابلی ادب کی اصطلاح سب سے پہلے انیسویں صدی کے اوائل میں فرانس میں سنی گئی، جب اس عنوان کے تحت فرانسیسی اور بعض یورپی ادب پاروں کو منتخب کر کے باہم اختلاف وافتراق کا جائزہ لیا گیا۔ بعدازیں جرمن اور امریکی دبستانوں سے ہوتی ہوئی یہ ہندوستان کی زمین پر قدم رکھتی ہے۔

فرانسیسی دبستان میں تقابلی ادب کی روایت 1905ء میں ملتی ہے۔ اس کے تحت ادب کے مآخذ کو پرکھا جاتا ہے۔ جنگِ عظیم دوم کے زمانے میں اس دبستان نے زور پکڑا۔ اس سلسلے میں یہ جاننے کی کوشش کی جاتی تھی کہ ایک نظریہ کن محرکات کے زیرِاثر ایک قوم سے دوسری قوم میں سفر کرتا ہے۔ اور کس طرح دو مختلف جغرافیائی حدود رکھنے والی اقوام ایک نظریاتی سرحد پر جمع ہو جاتی ہیں۔ اس دبستان کے تحت زیادہ تر یورپی ممالک کے ادب کا ہی باہم تقابل کیا گیا۔

جرمن دبستان کا آغاز انیسویں صدی کے اختتام (1870ء) سے ہوتا ہے۔ اس کا نقطۂ کمال بھی 1939ء سے 1949ء کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ اس کے تحت مختلف سماجی پس منظر میں لکھے گئے ڈراموں اور محبت کے نغموں کا تقابل کیا جاتا ہے۔ اور اس تقابلی جائزے میں ساختیات کے اصول مد نظر رکھے جاتے ہیں۔ ساختیات سے

مراد فنی لوازم کو بطور خاص جانچنا۔ ادب پاروں کی ساخت، ہیت، اسلوب اور پلاٹ وغیرہ کو ترجیحاً باہمی موازنے کی ذیل میں پرکھنا۔ موضوعاتی تقابل ضمنی طور پر کیا جانا ساختیاتی اصولوں پر تقابل کا طریقہ کار ہے۔ اس میں مختلف اصناف پر تقابل کی روایت کو ترویج ملی۔ یعنی تقابلی جائزہ صرف ڈراموں اور گیت کے دائرے سے نکل کر دیگر اصنافِ سخن تک بھی پھیلا۔ تاہم یہ ایک خطے تک ہی محدود تھا۔

امریکی دبستان فرانسیسی دبستان کے رد عمل کے طور پر سامنے آیا۔ اس میں فرانسیسی دبستان کے بالمقابل تقابلی ادب کو جغرافیائی حدود سے مبرا کر دیا گیا۔ اس دبستان کے تحت صرف یورپی ممالک کے ادب پاروں کے بجائے ہر خطے کے ادب پاروں کا باہم تقابل کیا جانے لگا۔ چینی زبان کے ادب سے لے کر عربی زبان کے ادب تک ہر خطے اور ہر قوم کے تخلیقی ادب کو تقابل کی ذیل میں مطالعہ کیا جانے لگا۔ یوں فرانسیسی دبستان سے جنم لینے والی یہ روایت تمام ممالک کے ادب میں بطور خاص شعبہ سرایت کر گئی۔

اردو ادب میں اس روایت کو دیکھا جائے تو سب سے پہلے محمد حسین آزاد اپنے معروف تذکرے "آبِ حیات" میں تقابل کی بنیاد ڈالتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی کئی تقاریر اردو اور انگریزی ادب کے تقابل کے ضمن میں تھیں۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ کے وضع کردہ شعر و نثر کے اصول بھی مختلف شعرا کے باہم تقابل سے اخذ شدہ ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی نے "موازنہ دبیر و انیس" لکھ کر ایک باقاعدہ تقابل کی کتاب شائع کی۔ عبدالرحمان بجنوریؔ نے "محاسنِ کلامِ غالبؔ" میں خصائصِ کلامِ غالبؔ کے بعد غالبؔ اور گوئٹے کا باہم تقابل بھی کیا۔ اس کے بعد آل احمد سرور کے ہاں مشرق و مغرب کے ادب کا تقابل نظر آتا ہے۔ انہوں نے مغرب و مشرق کے شعرا کا تقابل کرتے ہوئے مغرب کے شعرا کو غیر معمولی توصیف کا حق دار بنایا ہے، نہ مشرقی شعرا کو تحقیر یا توصیف میں غیر معمولی رتبہ دیتے ہیں۔ ان کے ہاں تقابل میں ایک توازن کی کیفیت نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس کلیم الدین احمد نے اپنے تقابلی جائزے کے تحت مغربی ادبا کی مدح سرائی کی جبکہ مشرقی ادبا پر بے طرح منفی تنقید کی۔ وہ نہایت دوٹوک انداز میں کہتے ہیں کہ مشرقی شعرا کسی طرح بھی مغربی شعرا کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔

مجوزہ مقالے میں اردو ادب کی منتخب تواریخ کا تقابل کیا جائے گا۔ تقابل کے لیے ہم نے کچھ اصول بنائے ہیں ان اصولوں کی بنیاد پر ہم نے جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کا جائزہ لیتے ہوئے تقابل کے لئے معیار بنایا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ کو معیار اس بنیاد پر بنایا گیا ہے کیوں کہ اب تک لکھی جانے والی ادبی تواریخ میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ وہ تاریخ ہے جو اردو ادب کی تاریخ کو وسیع پیمانے پر اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اور جمیل جالبی نے تاریخ کے اصولوں کو احسن طریقے سے اپنی تاریخ میں برتا ہے۔ ڈاکٹر صابر کلوروی لکھتے ہیں:

> "اب تک جتنی تواریخ شائع ہو چکی ہیں ان میں جمیل جالبی کی تاریخ سب سے عمدہ ہے اس کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری اس کتاب کو الگ ادبی معجزہ سمجھتے ہیں۔ اس تاریخ کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں تاریخ اور تنقید کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے ماخذ کی تلاش اور چھان میں بھی بین میں بھی خاصی محنت سے کام لیا گیا ہے سنین کی درستی کا بھی خاصہ اہتمام کیا گیا ہے۔"(73)

مقالے میں ادبی تاریخ کے چند اہم عناصر (اسلوب، تکنیک، ماخذ) کا اصولوں کی بنیاد پر منتخب ادبی تواریخ (آغاز سے 1900 تک) کا تقابل جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو سے کیا جائے گا۔

حوالہ جات

1۔ فیروزالدین،مولوی،فیروزاللغات اردو،فیروزسنز،لاہور،2005ء، ص79۔

2۔ نورالحسن نیّر،مولوی،نوراللغات (جلداول)،ترقی اردو،نئی دہلی،1989ء،ص300۔

3.http://udb.gov.pk/result.php?search=%D8%A7%D8%AF%D8%A8&posi=offline&__ncforminfo=zXliRsZOH3i8wern4PALrpS4mfhHzM_fNh66uJWeho6xkKfT6HHJts2zCZN0Wp98UGSLvlXV8f39OAysU7a6fAws-w8gmc4Qr36Am62ebKQ%3D , 28 December, 2022, 3:27pm.

4. www.dictionary.cambridge.org/literature/ 13. November 2022,4:18 am.

5۔ انورسدید،اردوادب کی تحریکیں، انجمن ترقیِ اردوپاکستان،کراچی،1996ء، ص58۔

6۔ اشفاق احمدورک/علی محمدخاں،ڈاکٹر، اصناف نظم ونثر،الفیصل ناشران،لاہور، 2019ء،ص48۔

7۔ وصی اللہ کھوکھر،جہانگیراردولغت،جہانگیربکس،س ن،ص322۔

8.http://udb.gov.pk/result.php?search=%D8%A7%D8%AF%D8%A8&posi=offline&__ncforminfo=zXliRsZOH3i8wern4PALrpS4mfhHzM_fNh66uJWeho6xkKfT6HHJts2zCZN0Wp98UGSLvlXV8f39OAysU7a6fAws-w8gmc4Qr36Am62ebKQ%3D , 13 November, 2022, 03:51am.

9 . https://www.merriam.webster.com/history 13.nev.2022. 5 :37 am۔

10۔ نسیم عباس احمر،ڈاکٹر،ترتیب:نوتاریخت (منتخب اردومقالات)،مثال پبلیشرز،فیصل آباد،2018ء،ص134۔

11۔ خرم قادر،ڈاکٹر،تاریخ نگاری،مکتبہ فکرودانش،لاہور،فروری 1994ء،صفحہ نمبر15۔

12۔ نسیم عباس احمر، عامر سہیل، ڈاکٹر، (مرتبین)، ادبی تاریخ نویسی، پاکستان رائٹرز کواپریٹو سوسائٹی، لاہور، 2015ء، ص21۔

13. https://www.britannica.com/topic/historiography/ ,14.november.2022, 1:48 AM.

14۔ نسیم عباس احمر، عامر سہیل، ڈاکٹر، (مرتبین)، ادبی تاریخ نویسی، پاکستان رائٹرز کواپریٹو سوسائٹی، لاہور، 2015، صفحہ 89۔

15۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، (جلد دوم) طباعت ششم، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2009ء، ص12، 11۔

16۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ (آغاز ابتداء سے 1857 تک)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور 2009ء، ص11۔

17۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تاریخ ادب مقاصد و محرکات، مشمولہ، اردو کی ادبی تاریخیں (نظری مباحث)، مرتبہ: سلمان احمد، قصر الادب، حیدر آباد 1999ء، ص158۔

18. Rene Weelek, *Theory of Literature Penguine Book*, 3rd edition, 1963, P267.

19. William Henery Hydsan, *An introduction to the study of literature* .2nd edition, Geotge G. Hamop co. P36.

20. https://udb.gov.pk/?fbtmyufkepceiah/ ,28.December.2022, 2:00pm.

21. https://www.almaany.com/ur/dict/ ,28.December.2022, 2:20pm.

22۔ سید عابد علی عابد، اسلوب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور 2011ء، ص41۔

23۔ سید عابد علی عابد، اسلوب، ص41۔

24۔ ایضاً ،ص 42۔

25. https://www.persee.fr/doc/rbph_0035-0818_1993_num_71_3_3890

26۔ تبسم کاشمیری،ادبی تاریخ کی تشکیلِ نو کے مسائل (مضمون)، مشمولہ: ادب تاریخ نویسی، عامر سہیل/نسیم عباس احمر، مرتبین، پاکستان رائٹر کوآپریٹو سوسائٹی،لاہور،2015ء،ص61۔

27۔ تبسم کاشمیری ،ادبی تاریخ نویسی کی تشکیل نو کے مسائل(مضمون)، مشمولہ: تخلیقی ادب،شمارہ نمبر 5،نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز ،اسلام آباد ،جنوری، ص11۔

28۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلددوم) ، مجلس ترقی ادب اردو ،کلب روڈ، طبع سوم، 1994ء، ص12۔

29۔ تبسم کاشمیری،ادبی تاریخ کی تشکیلِ نو کے مسائل (مضمون)، مشمولہ: ادبی تاریخ نویسی، عامر سہیل/نسیم عباس احمر، مرتبین، پاکستان رائٹر کوآپریٹو سوسائٹی،لاہور،2015ء،ص53۔

30۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اردو (جلددوم)،ص ۱۳ ۔

31۔ شاکر کنڈان،ادبی تاریخ نویسی کے اصول، مشمولہ: ادبی تاریخ نویسی، مرتبین: ڈاکٹر عامر سہیل و نسیم عباس احمد، لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۱۰ء،ص294۔

32۔ گوہر نو شاہی،ڈاکٹر ، ڈاکٹر جمیل جالبی، نقوش پریس اردو بازار لاہور، 1993، ص 247۔

33۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اردو (جلددوم)،ص ۱۲۔

34۔ وصی اللہ کھوکھر، جہانگیر اردو لغت، ص1328۔

35. http://udb.gov.pk/result.php?search=%D9%85%D8%A7%D8%AE%D8%B0 ,28.December, 2022, 03:15PM.

36.
https://www.oxfordlearnersdictionaries.com/definition/american_english/source_1 , 28.December, 2022, 03:26PM.

37.
https://www.oxfordlearnersdictionaries.com/definition/american_english/source_1 , 28.December, 2022, 03:30PM.

38۔ محمد ہارون قادر، پروفیسر، ڈاکٹر، ابجد تحقیق، الو قار پبلیشر، لاہور، اشاعت ہفتم، 2019ء، ص۷۹، ۷۸۔

39۔ سلیم بیگ مرزا، داستان تاریخ (مضمون)، مشمولہ: تحقیق، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، شمارہ نمبر ۳، ۱۹۸۹ء، ص ۱۷۲۔

40۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اورل ہسٹری اور اردو ادب (مضمون)، مشمولہ: دریافت، شمارہ ۵، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، اگست ۲۰۰۶ء، ص ۲۶۰۔

41۔ حامد حسین قادر، داستان تاریخ اردو، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، چوتھا ایڈیشن، س ن، ص ۴۲۔

42۔ سمیرا اعجاز، ادبی تاریخ نویسی کے ماخذ (مضمون)، مشمولہ: ادبی تاریخ نویسی، مرتبین، ڈاکٹر عامر سہیل، نسیم عباس احمر، لاہور، پاکستان کواپریٹیو سوسائٹی، ۲۰۱۰ء، ص ۳۳۶۔

43۔ خلیق انجم، کچھ جمیل جالبی کے بارے میں، ڈاکٹر جمیل جالبی ایک مطالعہ، ڈاکٹر گوہر نوشاہی، ادارہ فروغ اردو ۱۹۹۳ ص ۳۱۔

44۔ گیان چند جین، تاریخ ادب اردو (مضمون)، مشمولہ: ادبی تاریخ نویسی، مرتبین، ڈاکٹر عامر سہیل/ نسیم عباس احمر، ص ۴۰۹، 8۴۰۔

45۔ صابر کلوروی، ڈاکٹر، اردو کی ادبی تاریخ (مضمون)، مشمولہ: ادبی تاریخ نویسی، مرتبین ڈاکٹر عامر سہیل/ نسیم عباس احمر، ص ۱۶۷۔

46۔ وصی اللہ کھوکھر، جہانگیر اردو لغت جامع ترین، ص ۳۹۱۔

47۔ جمیل جالبی، قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء، ص ۲۰۲۷۔

48. https://www.collinsdictionary.com ,28.December, 2022, 4.53pm

49۔ انور جمال،ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد،۲۰۱۲ء، ص ۲۷۔

50۔ عزیز احمد،مترجم،بوطیقاازارسطو،بک ہاوس،لاہور، ۲۰۰۶ء،ص ۶۷۔

51۔ گیان چند جین،ڈاکٹر،اردو کی ادبی تاریخیں،انجمن ترقی اردو پاکستان،کراچی ۲۰۰۰ء،ص 30۔

52۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اردو(جلد دوم)، مجلس ترقی ادب،لاہور، مطبع سوم، ۱۹۹۶ء،ص ۱۳۔

53۔ گیان چند جین،ڈاکٹر،اردو کی ادبی تاریخیں،انجمن ترقی اردو پاکستان،کراچی ۲۰۰۰ء،ص ۲۱۔

54۔ گوہر نوشاہی،ڈاکٹر، جمیل جالبی -ایک مطالعہ، نقوش پریس لاہور،۱۹۹۲ء،ص ۲۸۶۔

55۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اردو(جلد دوم)،ص ۱۳۔

56۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اردو(جلد دوم) ،ص ۱۱-۱۲۔

57۔ تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،اردوادب کی تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، 2016ء،ص ۱۰۹۔

58۔ گیان چند جین ،ڈاکٹر ، جمیل جالبی تاریخ ادب اردو(مضمون)،مشمولہ : ادبی تاریخ نویسی، مرتبین، عامر سہیل۔نسیم عباس احمر،ص ۲۰۶۔

59. https://ur.m.wikipedia.org/wiki ,4.December,2022, 11:56am.

60. http://:www.rekhta.org/ ,20.December.2022,12:00pm .

61۔ محمد حسن،ڈاکٹر،اردوادب کی تاریخ- تبسم کاشمیری(مضمون)،مشمولہ:ادبی تاریخ نویسی ،ص ۲۶۸۔

62. http://:www.rekhta.org/ ,20.December.2022, 02:00pm

63۔ سجاد نقوی،پروفیسر /ڈاکٹر،انور سدید: شخصیت اور فن،اکادمی ادبیات 2010ء،ص 113۔

64. www.ur.m.wikipedia.org , 4.December.2022, 04:00AM.

65۔ عبدالعزیز ساحر، جمیل جالبی شخصیت وفن،اکادمی ادبیات،2007ء،ص 4۔

66۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، اردو کی ادبی تاریخیں، انجمن ترقی اردو، کراچی، 2000ء، ص673 ۔

67۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، اردو کی ادبی تاریخیں، ص676۔

68۔ ایضاً، ص676۔

69۔ گوہر نوشاہی، ڈاکٹر، جمیل جالبی: ایک مطالعہ، ص۲۸۔

70۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، ص11-12۔

71۔ گیان چند جین، تاریخ ادب اردو (مضمون)، مشمولہ: ادبی تاریخ نویسی، ص208-209۔

72۔ سوزن بیسنیٹ، تقابلی ادب: ایک تنقیدی جائزہ، توحید احمد، مترجم، پورب اکادمی، اسلام آباد، جون 2015ء، ص38۔

73۔ صابر کلوروی، ڈاکٹر، اردو کی ادبی تاریخ، مشمولہ: ادبی تاریخ نویسی، ص۱۶۷۔

باب دوم:

ادبی تاریخ نویسی میں تکنیک کا تقابل

1۔تاریخ ادب اردو (آغاز سے 1857ء تک) از تبسم کاشمیری

ا-جائزہ بحوالہ تکنیک:

ادبی تاریخ نویسی کی تکنیک کے حوالے سے جس پہلوؤں کو تقابل کے لیے مختص کیا گیا ہے اس میں تاریخ نویسی کی ترتیب اور تاریخ نویسی میں سماج اور نظریات کی عکاسی کا جائزہ لیا جائے گا۔ تبسم کاشمیری کی ادبی تاریخ جو کہ اردو زبان وادب کے آغاز سے 1857ء تک ہے میں انھوں نے زمانی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ زمانی ترتیب کو وہ تاریخی ترتیب بھی کہتے ہیں یعنی جس ترتیب سے تاریخ چلتی ہے اسی ترتیب سے ادب کے ارتقا کا سفر بھی تاریخ ادب اردو ہے اور وہ تاریخ ادب اردو کا تاریخی ترتیب کے حوالے سے عمومی جائزہ پیش کرتے ہیں اور ان کو حقائق کے تناظر میں ادبی تاریخ کا حصہ بناتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں: "تبسم کاشمیری نے پورے اردو ادب کو ایک اکائی کی طرح دیکھا ہے اور سمجھا ہے اور اسی اعتبار سے اسے تولنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کوشش دکنی دور کے سلسلے میں خاصی دشوار تھی مگر اسے بڑی سہولت اور خاصے صبر و توازن سے انجام دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے دکنی الفاظ اور تراکیب جابجا راستہ روکتی ہیں اور ادب فہمی میں رکاوٹ بنتی ہیں مگر تبسم صاحب کا اندازِ تنقید اسے عبارت کے متن میں بڑی خوبصورتی سے کھپاتا چلا جاتا ہے اور ان کی جمالیاتی کیفیات کو جہاں تک ہو سکا ہے برقرار رکھا ہے۔"(1)

اردو ادب کی تاریخ از تبسم کاشمیری کی تاریخ میں ترتیب کو دیکھا جائے تو زمانی ترتیب میں ادب کے ارتقا کا سفر بڑے جامع اور واضع انداز میں کیا گیا ہے انھوں نے تاریخ کا آغاز زبان کی ابتدا سے کیا ہے جس میں 1000ء کے آس پاس لسانی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے اردو زبان کے ارتقا سے تاریخ کا آغاز کیا ہے۔ وہ پہلے پہل زبان کے ابتدائی عمل کا ذکر کرتے ہیں اور پھر پنجاب میں زبان کی ابتدائی نقشہ پیش کرتے ہیں پھر اسی ترتیب سے چلتے ہوئے وہ

دوسرے باب، شمالی ہند میں اردو زبان ادب میں پہلے وہ زبان کا جائزہ لیتے ہیں پھر وہ اس علاقے میں ادبی زبان کا جائزہ لیتے ہوئے وہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کس وجہ سے زبان کو فروغ ملتا ہے؟ کون سے فاتحین کے آنے سے

زبان میں تبدیلی

رونما ہوئی؟ اور اردو ادب کس حد تک لکھا جا رہا ہے؟ ادبی تاریخ نویسی کی ترتیب میں ان کی تاریخ کی خاص بات یہ بھی ہے کہ زمانی ترتیب کے ساتھ چلتے ہوئے اردو ادب کے اہم مصنفین کا ذکر کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ یعنی کس عہد، کس زمانے میں کون لکھ رہا تھا اور کس انداز سے لکھ رہا تھا؟ سماج تاریخ کا اہم حوالہ ہے سماج کے دخول کے بنا نہ تاریخ مکمل ہے اور نا ادب کا کوئی واضح وجود ہے۔ بلکہ ہم یوں کہ سکتے ہیں کہ ادب کی تاریخ سماج کے بنا ادھوری ہے یوں کہ سماجی و ثقافتی حالات و واقعات کے زیر اثر ہی ادب پروان چڑھتا ہے اور تخلیق پاتا ہے۔ ادب میں سماجی حالات و واقعات کی عکاسی ہوتی ہے اور ان کے ساتھ ربط کے بنا تاریخ ادھوری ہے تبسم کاشمیری نے تاریخ کے ارتقا کے ارتقا کا سفر اور سماج کو اہمیت دی ہے اور سماج کے حوالے سے ادبی تاریخ کو دیکھا ہے وہ سماجی واقعات کو اہمیت دیتے ہیں اور ان کی چھان پھٹک کے بعد ان میں سے اہم واقعات کا ذکر کرتے ہیں تاکہ تاریخ کے بیان میں کوئی خلا باقی نا رہے ۔ تبسم کاشمیری اس حوالے سے لکھتے ہیں: " ایک اچھے مورخ کو ادبی تاریخ اور سماجی علوم کے مابین باہمی عمل پر گہری نظر رکھنی چاہیے۔ "(2)

2۔ تقابل: "تاریخ ادب اردو (ابتداء سے 1857 ءتک)" از تبسم کاشمیری کا اور "تاریخ ادب اردو" از ڈاکٹر جمیل جالبی

تاریخ ادب اردو از تبسم کاشمیری اور تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی دونوں اردو ادب کی تاریخ کا اہم حوالہ سمجھی جاتی ہیں۔ ہر تاریخ کو لکھنے کے لیے کوئی نا کوئی طریقہ تحریر اپنایا جاتا ہے جو طرز تحریر یا انداز بیان کہلاتا ہے جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو اور تبسم کاشمیری کی تاریخ ادب اردو کی تواریخ کا آپس میں تقابل کریں گے کہ ان میں سے کس تاریخ کو کس تکنیک کے تحت لکھا گیا ہے دونوں ایک ہی وقت کی ایک ہی خطے کی تواریخ ہیں اس لیے ان میں بہت سی مماثلتیں اور افتراکات بھی ہیں۔

فرڈیننڈ برونیٹیرُ نے 1900ء میں کہا کہ :

" تقابلی ادب کی تاریخ سے ہم فرانسیسیوں، انگریزوں اور جرمنوں کو اپنے اپنے عظیم مصنفوں کے قومی اوصاف کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ ہم صرف گالفت سے ہی خود کو قائم کر سکتے ہیں۔ دوسروں سے تقابل سے ہماری شناخت ہوتی ہے ہم صرف اپنی پہچان سے خود کو نہیں جان سکتے۔(3)

تقابل کے دوران ہم پہلے ان تواریخ میں اشتراکات کا جائزہ لیں گے اور پھر افتراقات کا جائزہ لیں گے ہم یہ دیکھیں گے کہ کن بنیادوں پر ان دونوں تواریخ کی تکنیک ایک دوسرے کی تکنیک سے مماثلت اور کن بنیادوں پر منفرد ہے۔

3۔اشتراکات :

ایسے پہلو جو دونوں تواریخ میں مماثل ہیں یا ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں ان کو ہم اشتراکات کے زمرے میں دیکھیں گے۔

ترتیب :

جمیل جالبی اور تبسم کاشمیری نے تاریخ ادب کی تکنیک میں زمانی ترتیب کو مد نظر رکھا ہے یعنی ان دونوں تواریخ میں زمانی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھیں گی ہیں اور واقعات کا بیان بھی زمانی یا تاریخی ترتیب سے کیا ہے اور اسی طرح وہ تاریخ اور زمانے کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے ادب کے ارتقاء کا سفر بیان کرتے ہیں اور اردو ادب کے اہم حوالوں مصنفین، شعرا کا ذکر کرتے ہیں۔

مثلاً

جمیل جالبی تاریخ ادب اردو کا آغاز کرتے ہیں تو "تمہید" کے عنوان سب سے پہلے "اردو زبان اور اس کے پھیلنے کے اسباب" کی ذیل میں زبان کی ابتدائی شکل اور پھر اس کے ارتقا کی کہانی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً جمیل جالبی کے ہاں زبان کے آغاز کا سفر اس عنوان سے لکھا ہے۔ "تمہید، اردو زبان اور اس کے پھیلنے کے اسباب"(4)

تبسم کاشمیری کی تاریخ ادب اردو کا جائزہ لیا جائے تو انھوں نے بھی تاریخ کا آغاز زبان کے آغاز سے کیا ہے۔ تبسم کاشمیری تاریخ ادب اردو کے پہلے باب میں زبان کے ابتدا کے بارے بات کرتے ہیں کہ زبان 1000ء کے آس پاس کی تھی اور اس نے ارتقاء کا سفر کن مراحل سے گزر کر گیا۔

مثلاً

تبسم کاشمیری زبان کی ابتدا اور اس کے بنیادی ارتقا کو اس عنوان کی ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

"باب اول: زبان کا ابتدائیہ، پنجاب اور اردو زبان کے ابتدائی نقش کا تصور۔ نقل لسانی کے دو مراحل "(5)

یعنی ان دونوں تواریخ میں بنیادی چیز جو ایک جیسی ہے وہ ان کی ترتیب ہے اور وہ زمانی ترتیب کے ساتھ تاریخ کا بیان کرتے ہیں دونوں مورخین نے اپنے اپنے انداز تحریر میں زبان کی بنیاد اور اس کے ارتقا کے بارے میں لکھا ہے مگر ترتیب دونوں کی مماثل ہے۔ جمیل جالبی بولیوں کے سفر کو بھی بیان کرتے ہیں جب کہ تبسم کاشمیری 1000ء سے آغاز کرتے ہیں اور زمانی ترتیب میں تاریخ لکھتے جاتے ہیں۔

جمیل جالبی تاریخ ادب اردو میں ابواب بندی کے دوران فصل کی ذیل میں عنوانات تحریر کرتے ہیں اور پھر ذیلی عنوانات کے تحت تاریخ لکھتے ہیں ترتیب کے حوالے سے دیکھا جائے تو دونوں مورخین کے ہاں زبان کے ابتدائی سفر کے بعد شمالی ہند میں زبان کے ارتقا کے عمل کو بیان کیا دونوں مورخین نے عنوانات مختلف ہیں مگر ترتیب ایک جیسی ہے۔ وہ مختلف عنوانات اور جز کی صورت میں تاریخ بیان کرتے ہیں۔

مثلاً

جمیل جالبی فصل اول میں شمالی ھند 1050ء سے 1707ء تک اردو کے ارتقا کو مختلف فاتحین کی ذیل میں بیان کرتے ہیں اور پھر اہم شعرا کا ذکر کرتے جو اپنے اپنے ادوار میں اہمیت کے حامل ہوں جمیل جالبی، شمالی ہند میں اردو ادب کا جائزہ اس طرح لیتے ہیں۔

"فصل اول شمالی ھند 1050ء – 1707ء

پہلا باب مسعود سعد سلیمان سے گرونانک تک (1050ء سے 1525ء)

دوسرا باب بابر سے شاہ جہاں تک (1525ء سے 1657ء)

تیسرا باب دوراورنگ زیب (1657ءسے1707ء)"(6)

اوریوں وہ زمانی ترتیب سے چلتے ہوئے فاتحین کی زبان میں اہم شعرا کاذکر کرتے ہیں۔

تبسم کاشمیری بھی باب نمبر 2 میں شمالی ہند میں اردو زبان وادب کا جائزہ لیتے ہیں وہ بھی زمانی ترتیب سے ہی چلتے ہیں مگران کاانداز ذرامنفرد ہے وہ زمانی ترتیب سے چلتے ہوئے اہم شعرا کاذکر کرتے ہیں اور شعرا کے نام کی ذیل میں وہ ان کے عہد کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ کون کس کے دور کا اہم شاعر ہے۔یوں وہ باب نمبر 2 میں ترتیب اپناتے ہیں۔

"باب نمبر 2 ، شمالی ہند میں ابتدائی زبان ن ادب کا جائزہ ، مسعود سلمان لاہوری

، بابافرید امیر خسرو، حضرت تونسہ، گنج بخش اور گنج الاسرار، افضل کی، بکٹ کہانی"(7)

یوں دونوں مورخین کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے توانھوں نے زمانی ترتیب سے تاریخ کو لکھا ہے جمیل جالبی اور تبسم کاشمیری کاانداز تحریر تو مختلف ہے اور دونوں اپنے اپنے انداز سے عنوانات کو ترتیب دیتے ہیں مگر بنیادی طور پر وہ زمانی ترتیب کے تحت تاریخ لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر شازیہ نسیم لکھتی ہیں:

"ادبی مؤرخ کاکام ساکن اور مردہ چیزوں کواس طرح پیش کرناہوتاہے کہ وہ متحرک اور زندہ ہو جائیں۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے کتاب مذکورہ کی تکمیل جاپان میں کی جوان کاایک غیر معمولی کارنامہ ہے۔کتاب میں اردو ادب کی ابتداء سے لے کر مرزاغالب کے دور کو تابانی اور رخشندہ تر انداز میں پیش کیا گیاہے۔انہوں نے واقعات کو محدود کرنے کے بجائے ذاتی شعور اور تجربے کی بناء پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔اس لیے کتاب میں زاتی تجربات بہت اچھے اندز میں پیش کیے گئے ہِیں۔کتاب کا مطالعہ دلچسپ اور معلومات بہم پہنچاتاہے۔انہوں نے ماضی کو جس قدر سمیٹاہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔"(8)

ایسے دونوں نے زبان کی ابتدا سے تاریخ کا آغاز کیا ہے اور پھر دونوں کے ہاں شمالی ہند اور پھر گجری ادب کا ذکر ہے گو کہ دونوں الگ الگ انداز سے عنوانات اور شعرا کا انتخاب کرتے ہیں مگر بنیادی طور پر زمانی ترتیب کو ہی مد نظر رکھا گیا ہے پھر دونوں تواریخ میں اہم موضوعات کی ترتیب ایک جیسی ہے۔

موضوعات :

تواریخ ادب اردو میں موضوعات بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں ان دونوں تواریخ کے موضوعات میں بھی مماثلت ہے جمیل جالبی زبان کے آغاز سے تاریخ کا آغاز کرتے ہیں وہ زبان بننے سے پہلے بولیوں کے سفر کا بھی بیان کرتے ہیں جب کہ تبسم کاشمیری 1000ء کے آس پاس زبان اور اس کی ترویج میں ہونے والے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے زبان کی ابتدا سفر بتاتے ہیں۔ دونوں تواریخ چوں کہ اردو ادب کی تواریخ ہیں اور ایک ہی عہد کی تواریخ کے مورخ کا انداز تحریر الگ ہونے کے باوجود تاریخ کے موضوعات میں بھی بہت حد تک مماثلت ہے جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو چار جلدوں پر مشتمل ہے اس لیے ان کے ہاں واقعات کی زیادہ مفصل بحث ملتی ہے اس برعکس تبسم کاشمیری کے ہاں ان ہی واقعات کو کم عنوانات کے تحت لکھا گیا ہے ان دونوں تواریخ میں بالترتیب جو موضوعات مماثل ہیں وہ یہ ہیں۔

زبان، شمالی ہند، گجری ادب، بہمنی دور، بیجاپور، عادل شاہ کا دور گولکنڈہ، قطب شاہی دور زبان و ادب پر فارسی اثرات ولی دکنی یہاں تک موضوعات کی ترتیب بھی ایک جیسی ہے یہاں تک کے موضوعات کی ترتیب بھی ایک جیسی ہے یہاں تک کے موضوعات جمیل جالبی کی جلد اول تک میں شامل ہیں۔

جمیل جالبی کی جلد اول کا خاتمہ ہوتا ہے اس کے آگے بھی ہم موضوعات کو ترتیب کے ذیل میں دیکھیں گے۔

- اٹھارویں صدی-اردو شاعری
- شمالی ہند اردو شاعری کی ابتدا

جمیل جالبی کے ہاں اٹھارویں صدی میں اردو شاعری کے بعد ہونے والی تبدیلیوں کے حوالے سے زیادہ موضوعات ملتے ہیں جب کہ تبسم کاشمیری معروف موضوعات کاذکر کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ جیسے

- ولی کے اثرات
- ایہام گوئی
- ایہام گوئی رد عمل

ادبی روایت کا استحکام عہد ساز شعرا کا دور ان موضوعات کے بعد تبسم کاشمیری دبستان لکھنو کے سیاسی عوامل کاذکر کرتے ہیں جب کہ جمیل جالبی اٹھارویں صدی میں اردو نثر کا جائزہ لیتے ہیں۔اور جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو جلد دوم بھی مکمل ہو جاتی ہے پھر ان دونوں تواریخ میں مماثل موضوعات دیکھیں گے۔

- انیسویں صدی،ادبی روایت کی توسیع (میر حسن و مصحفی)
- پھر جمیل جالبی روایت کی تکرار اور روایت کی تبدیلی کا عمل وآغاز
- فورٹ ولیم کالج-دلی کالج
- داستانوی ادب (باغ و بہار، فسانہ عجائب)،(عوامی رنگ نظرا کبر آبادی)

اس کے بعد جمیل جالبی کی تیسری جلد بھی ختم ہوتی ہے۔

لکھنوی شاعری سادہ گوئی-رد عمل جدید گوئی لکھنوی شعرا کاذکر

دلی بزم آرائیاں دلی شعرا

اردو مرثیہ

تبسم کاشمیری کی تاریخ ادب اردو یہی تک ہے ان کی تاریخ کا آخری موضوع مرثیہ ہے۔

ان دونوں تاریخ میں تکنیک کے جائزہ سے ہمیں یہ بات سمجھ آتی ہیے کہ مندرجہ بالا موضوعات دونوں میں مشترک ہیں ترتیب زمانی ہے ہے مگر جمیل جالبی زیادہ وضاحت سے بات کرتے ہیں تمام پہلو کو واضح کرتے اور ذیلی عنوانات کے تحت اسے موضوعات میں بھی لکھتے ہیں جو تبسم کاشمیری کے ہاں نہیں ملتے ہیں مثلاً بہت سے غیر معروف شعراء ہیں جن کاذکر جمیل جالبی نے تو کیا ہے مگر تبسم کاشمیری کے ہاں ہمیں نہیں ملتا ان کاذکر۔

دونوں تواریخ میں موضوعات یکساں ہونے کے باوجود انداز تحریر مختلف ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے دونوں مورخین ایک ہی موضوع پر بحث کرتے ہیں مگر جمیل جالبی اسی موضوع کو زیادہ مفصل اور ذیلی عنوانات کے تحت لکھتے ہیں۔اس حوالے سے شمالی ہند میں اردو ادب کی تاریخ کے موضوع کی مثال دیکھتے ہیں۔ جمیل جالبی شمالی ہند میں اردو کو موضوعاتی لحاظ سے اس طرح ترتیب دیتے ہیں۔

فصل اول :

- "شمالی ہند(1059ع- 1707ع)19
- پہلا باب مسعود سلیمان سے گرونانک تک1050ع- 1525ع تک)
- دوسرا باب: بابر سے شاہجہان تک(1525ع- 1657ع)
- تیسرا باب:دوراورنگ زیب(1657ع- 1707ع)"(9)

جب کہ شمالی ہند میں اردوادب کو تبسم کاشمیری یوں تحریر کرتے ہیں :

باب نمبر2 28"شمالی ہند میں ابتدائی زبان وادب کا جائزہ مسعود سلیمان لاہوری، بابافرید،امیر خسرو، کبیر نوشہ گنج،افضل "(10)

اسی موضوع پر بات کرتے ہوئے جمیل جالبی سنین کے عنوانات کے تحت اس دور کے اہم مصنف و شعرا کا ذکر کرتے ہیں۔وہ زیادہ مفصل بیان کرتے ہیں یعنی وہ پہلے اس دور کی خاصیت بیان کرتے ہیں پھر اس وقت کے اہم شعرا کا نام لکھتے ہیں اس کے ساتھ ان کے کلام کے نمونے بھی پیش کرتے ہیں جب کہ تبسم کاشمیری کا انداز بیان مختلف ہے وہ پہلے دور کا تعین کرتے ہیں اور پھر اس کے اہم واقعات کا ذکر کرتے ہیں اور پھر اس دور کے اہم شعرا کے حوالے سے تاریخ ادب اردو کا بیان کرتے ہیں۔

تقابلی مطالعہ کے دوران ہم اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جمیل جالبی اور تبسم کاشمیری کی تواریخ میں موضوعات بہت حد تک یکساں ہونے کے باوجود بھی منفرد انداز سے تحریر کیے گیے ہیں۔

سماجی عوامل

زبان وادب کسی بھی سماج کا اہم حوالہ اور سرمایہ ہوتا ہے زبان وادب کے فروغ میں سب سے بڑا کردار

سماج کا ہوتا ہے۔ کسی بھی علاقے کسی بھی قوم کا ادب یا زبان مخصوص سماجی عوامل کے زیر اثر فروغ پاتا ہے۔ زبان کے بننے سے لے کر زبان کے فروغ اور زبان میں ادبی سرمائے کی تخلیق تک سماج ہمیشہ سے اس پر اثر انداز رہا ہے اور سماجی واقعات و حالات کے سبب ہی ادب میں بھی نئے نئے رجحانات سامنے آتے ہیں اور زبان بھی سیاسی و سماجی حالات کے سبب تبدیلی سے گزرتی ہے بلکہ یہ زبان و ادب کے ارتقاء کا سلسلہ ہے جس میں سماج کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ اس لیے جب ہم ادب یا زبان کی بات کرتے ہیں تو سماج اس کا حصہ بن جاتا ہے۔ تاریخ زبان و ادب کے حوالے سے بھی یہی بات اہمیت کی حامل ہے چوں کہ زبان و ادب کسی نا کسی سماج میں فروغ پاتی سماجی واقعات کے زیر اثر فروغ پاتی اس لیے زبان کے ارتقاء میں ان کا بیان بھی لازم ہے۔

تاریخ ادب اردو میں سماجی شعور کو خاص اہمیت حاصل ہے کیوں کہ اس کے بنا تاریخ نامکمل ہے اور تاریخ ادب کو سمجھنے کے لیے اس کے عہد کے رسم و رواج، سیاسی حالات و واقعات سے آگاہی ضروری ہے اور اس آگاہی کے لیے لازم ہے کہ مورخ سماجی شعور کے بیان سے آگاہ ہو وہ زبان کے ارتقا میں سماج کے کردار کو مثالوں سے واضح کر سکے۔

"تاریخ ادب اردو" از جمیل جالبی اور "اردو ادب کی تاریخ" از تبسم کاشمیری کے تقابلی مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں تواریخ میں زبان و ادب کے ارتقاء کے سفر کو سماجی حوالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ادب کے فروغ میں کردار ادا کرنے والے واقعات کو تاریخ کا حصہ بنایا گیا ہے یوں ہم نے دیکھا ہے کہ دونوں مورخین سماجی شعور اور تہذیبی عناصر کو تاریخ کے جزو کے طور پر اس میں شامل کرتے ہیں۔ اور اس طرح تاریخ کا تسلسل بھی قائم رہتا ہے اور واقعات کو سمجھنے میں بھی آسانی رہتی ہے۔

جمیل جالبی تاریخ ادب اردو تحریر کرتے ہوئے ان واقعات کر تاریخ کا حصہ بناتے ہیں جن سے اردو ادب متاثر ہوا یا جن واقعات نے تاریخ ادب اردو کے ارتقاء میں کوئی کردار ادا کیا۔ مثال کے طور پر آگر وہ کسی شاعر کا نام لکھتے ہیں جو اپنے عہد کا نمایاں شاعر ہو تو اس کے احوال و آثار کو بیان کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ اس دور کی روایت اور پھر یہ بھی کہ اس نے کس طرح اپنے عہد کے نمایاں رجحانات کو اردو زبان و ادب کا حصہ بنایا۔

جیسے جمیل جالبی خواجہ حیدر علی آتش کے بارے میں لکھتے ہیں تو پہلے یہ بتاتے ہیں کہ ان کے اجداد دلی سے تھے اور دلی کے اجڑنے پر وہ وہاں سے فیض آباد چلے گئے یعنی آتش نے لکھنؤ میں پرورش پائی پھر وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ آتش مصحفی کے شاگرد تھے اور اس حوالے سے وہ مختلف حالات کے ذریعے سے ان کے سنین پیدائش و وفات بھی معلوم کرتے ہیں۔مزید وہ مصحفی کی اصلاح کردہ غزل کے اشعار کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں۔

> "آتش نے جو شاعری کی وہ لکھنو کے ماحول میں رہ کر ہی کی جا سکتی تھی اس میں لکھنوی تہذیب کے وہ رخ وہ پہلو بھی موجود ہیں جو عام طور پر ناسخ اور دوسرے ہم عصر شعراء کے ہاں ملتے ہیں اور وہ پہلو بھی جو کسی دوسرے شاعر کے ہاں نہیں ملتے اور جسے غالب نے " چیز دگر" اور " تیز نشتر" کیا ہے اور جو آج آتش کی انفرادیت ہے یہ رنگ سخن لکھنوی تہذیب ی روح لطیف کا ترجمان ہے اسی رنگ سخن میں سرور و انبساط کے جو عناصر ملتے ہیں وہ لکھنو ہی کی دین ہیں اور اسی لیے ان کے کلام کی فضا غم کی فضا نہیں ہے اور اسی لیے میں نے انھیں "پورا شاعر کہا ہے۔"(11)

تاریخ ادرو ادب میں جب آتش کا ذکر آتا تو آتش کے ادبی مقام سے آشنا کرتے ہوئے پہلے ہمیں اس بات سے بھی آگاہ کرتے ہیں کہ آتش کے عہد کے کیا حالات تھے ان حالات سے آتش ہر جو اثر ڈالا وہ ان کی شاعری میں کس طرح نمایاں ہوئے یوں وہ ہمیں اس دور کے تہذیبی عوامل سے بھی آشنا کرتے ہیں اور مثالوں کے ذریعے اس عہد کی تہذیب سے بھی آگاہ کرتے ہیں۔اس طرح جب تبسم کاشمیری خواجہ حیدر علی آتش کے بارے میں لکھتے ہیں تو وہ اس باب کو لکھنؤ کی نئ (...) کا عنوان دیتے ہیں اور پھر حیدر علی آتش کے بارے میں وہ ہمیں پہلے ان کے اجداد ان کی دلی سے ہجرت اور فیض آباد میں رہنے کے بارے میں بتاتے ہیں اور پھر اس بات سے بھی آگاہ کرتے ہیں وہ فیض آباد سے لکھنؤ جاتے ہیں ان کے حالات زندگی کا جائزہ لیتے ان کی شاعری کے بارے میں بتاتے ہیں ان کے دور کے اہم شعرا اس دور کے رجحانات کا ذکر کرتے ہیں وہ حیدر علی آتش کے بارے میں لکھتے ہوئے لکھنوی تہذیب سے آشنا کرتے ہیں اور اس تہذیب کے ان کی تخلیقات پر اثر اور ان کی انفرادیت تمام چیزوں کو سماج سے جوڑتے ہوئے

اور سماجی حوالوں کے ساتھ بناتے ہیں۔ تبسم کاشمیری ان کے شعری موضوعات اور ادبی رجحانات میں تہذیب کا اثر دیکھاتے ہیں ہم یہ بات سمجھ جاتے ہیں کہ ان کی شاعری میں غم و غصہ نہ ہونے کی وجہ ان کے عہد کا ماحول تھا۔ان کی شخصیت کی انفرادیت اور تہذیبی عناصر کو کس حد تک انھوں نے قبول کیا ان تمام باتوں کو بیان کیا ہے۔ تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

> "لکھنو کے چوک اور بازاروں میں آنے جانے والے لوگوں کی بھیڑ نظر آتی تھی۔ان میں اکثر سر پر چوگوشہ ٹوپی،بدن میں چھ کلیوں والے انگرکھے اور ایک بڑا پاجامہ ہوتا تھا۔ شہر کے رؤسا ہاتھی،گھوڑوں اور پالکیوں میں بڑے کروفر سے جارہے ہوتے تھے۔۔۔مشاعرہ بدستور منعقد ہوتے رہتے تھے۔ آتش اور ناسخ کے تلامزہ ان کی رونق بڑھاتے تھے (12)"۔

دونوں تواریخ میں سماجی حوالوں کا بیان مشترک ہے اس کی بہت سی مثالیں ہیں جن میں سے حیدر علی آتش کے عہد کا ہم نے جائزہ لیا تو ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ مورخین شاعر کا ذکر کرتے ہوئے وہ اس کے عہد کی تہذیب اور اس کی تخلیقات میں ان کے اثرات کو مفصل انداز میں بیان کرتے ہیں۔

4۔افتراقات

وہ خصائص جو ان دونوں تواریخ کی انفرادیت کو واضح کرتے ان کا ذکر ہم افتراکات میں کریں گے۔

نقشہ جات کا اندراج

ادب اردو از تبسم کاشمیری کا تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی سے تقابل کیا جائے تو تبسم کاشمیری کی تاریخ میں نقشہ جات کا اندراج اسے دوسری تواریخ سے منفرد کرتا ہے جسے وہ اگر کسی علاقے میں زبان کے ارتقا کی بات کر رہے تو اور یہ بتا رہے کہ کس علاقے میں زبان کی بنیاد بنی پھر وہاں سے کسی علاقے میں گئی اور کن کن علاقوں تک کن وجوہات کی بنا پر پھیلی تو اس نظریے کو مفصل بیان کرتے ہوئے وہ اس علاقے کے نقشے کا اندراج بھی کرتے ہیں جس کی سبب لکھی ہوئی تاریخ کو سمجھنا بہت آسان اور واضح ہو جاتا ہے۔

وہ کسی علاقے میں اردو زبان کی ترویج کی بات کرتے ہوئے جب اس علاقے کا نقشہ بھی دیتے ہیں تو اس بات کو سمجھنے میں دیر نہیں لگتی کہ زبان کیا ہے آئی کہاں سے پھیلی کہاں اور کن کن علاقوں میں زبان کی ترویج ہوئی اس سے تاریخ کو سمجھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے مختلف علاقوں کا آپس میں فاصلہ بھی ذہن میں واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً باب اول میں زبان کی ابتدا کی بات کرتے ہوئے نقل لسانی کے دو مراحل کا ذکر کرتے ہیں تو اس وقت ان علاقوں کے نقشہ جات کو بھی ساتھ شامل کرتے ہیں۔ باب اول میں انھوں نے ہندوستان کا ایک ایسا نقشہ شامل کیا ہے جس میں وہ مختلف حکمرانوں کے علاقوں اور حدود کو متعین کرتے ہیں اور نقشے میں ان کو مختلف رنگوں سے واضح کرتے ہیں جس سے اس بات کو سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے اردو زبان کہاں سے آئی کس کے دور میں کیا فروغ پائی اور نقل لسانی کے بعد کس علاقے میں ترقی کے منازل طے کیے یہ نقشہ صفحہ نمبر 22 اور 23 کے درمیان میں شامل کیا گیا ہے اور اس کا ماخذ "source : Historical atlas of Asia" لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد جب وہ زبان کی ترویج و ترقی کی منازل کی بات کرتے تو پھر محمد بن تغلق کی سلطنت 1335ء میں" کا نقشہ بھی شامل کرتے ہیں ۔ یہ ایک منفرد اور بہترین انداز ہے جو تاریخ کو دلچسپ اور منفرد بناتا اور اس کے ذریعے تاریخ کو سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تبسم کاشمیری اردو ادب کی تاریخ میں کہیں کہیں اہم شعرا یا حکمرانوں کی تصاویر کو بھی تاریخ میں شامل کرتے ہیں جیسے انھوں نے بندہ نواز گیسو دراز، غالب اور عبداللہ، قطب شاہ کی تصاویر کو بھی تاریخ ادب اردو میں شامل کیا ہے۔ اس کے علاوہ کہیں کہیں وہ شعرا کی خطی تحاریر کی تصاویر کو بھی تاریخ میں شامل کرتے ہیں۔ جیسے نصرتی کے بارے میں لکھتے ہوئے انھوں نے صفحہ نمبر 130 اور 131 کے درمیان میں "نصرتی گلشن عشق" کا ایک ورق شامل کیا ہے۔

5۔ نتائج:

دونوں تواریخ کا تقابل بحوالہ تکنیک کرتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اردو ادب کی تاریخ از تبسم کاشمیری جمیل جالبی کی تاریخ اردو کی ہی تکنیک پر لکھی گئی ہے یعنی دونوں نے تاریخ لکھنے کے لیے ایک ہی تکنیک کو اپنایا ہے مثلاً دونوں تواریخ میں ترتیب زمانی کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے دونوں تواریخ میں موضوعات کی ترتیب بھی ایک

جیسے ہے اور دونوں تواریخ میں سماجی عوامل کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ جن کی بناپر دونوں تواریخ تکنیک کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب معلوم ہوتی ہیں۔ مگر جمیل جالبی کی تاریخ مفصل ہونے کی وجہ سے اس میں موضوعات کو زیادہ تفصیلی شامل کیا گیا ہے جس کے بالمقابل تبسم کاشمیری اختصار سے کام لیتے ہیں اور معروف شعرا کے ذکر پر ہی اکتفا کرتے ہیں اس کے علاوہ تبسم کاشمیری کی تاریخ میں نقشہ جات کا اندراج اسے جمیل جالبی کی تاریخ سے منفرد کرتا ہے دونوں تواریخ میں ایک جیسی تکنیک کو اپنایا گیا ہے مگر تبسم کاشمیری اردو ادب کی تاریخ کے زیادہ معروف شعرا اور ادبا کا ذکر کرتے ہیں اور ذیلی شعرا کو نظرانداز کرتے ہیں۔ تکنیک کے اعتبار سے دونوں تواریخ ایک دوسرے کے مماثل ہیں سوائے اس کے کہ تبسم کاشمیری منتخب شعرا کا ذکر کرتے ہیں اور نقشہ جات کا اندراج بھی کرتے ہیں۔

2۔اردو ادب کی مختصر تاریخ از انور سدید

1۔جائزہ بحوالہ تکنیک:

منتخب تواریخ کے تقابل میں تکنیک کے حوالے سے ہم تاریخ نویسی کی ترتیب اور اس میں سماجی عوامل کا جائزہ لیں گے۔

انور سدید کی اردو ادب کی مختصر تاریخ "اردو کی مختصر تاریخ ہے جو 1991ء میں شائع ہوئی۔ اردو ادب کی اس مختصر تاریخ میں اردو ادب کے آغاز سے لے کر 1986ء تک کی اردو زبان و ادب کا مختصر تاریخ پیش کی گئی ہے اردو ادب کی تاریخ میں اردو ادب کی تاریخ کو زمانی ترتیب سے بیان کیا گیا ہے مگر اس کو موضوعات کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے بلکہ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ انور سدید نے اردو ادب کی مختصر تاریخ میں آغاز سے لے کر 1986ء تک اصناف ادب کو بالترتیب بیان کیا ہے انور سدید نے کیوں کہ تاریخ کو زمانی ترتیب سے لکھا ہے مگر وہ اس کو اصناف کے عنوانات سے بھی لکھتے ہیں یعنی زمانے کے ساتھ چلتے ہوئے جو جو اصناف سامنے آرہی ہیں ان کی تاریخ کے حوالے سے سماجی عوامل پھر اہم مصنفین کا ذکر کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ انور سدید اردو ادب کی عنصر تاریخ میں زمانی ترتیب کے ساتھ چلتے ہوئے سب سے پہلے زبان کے بارے میں لکھا ہے۔ پھر وہ اردو کی قدیم اصناف کا جائزہ لیتے ہیں اور اس کے بعد وہ اردو زبان کے فروغ میں صوفیا اور بھگتوں کا کردار بیان کرتے ہیں یوں وہ زبان و ادب کا پس منظر

بیان کرنے کے بعد وہ زمانی ترتیب کے ساتھ چلتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں تاریخ سماج کے بنا مکمل نہیں ہو سکتی اس لیے ادب پر سماج اور تہذیب کیا اثر ڈالتے ہیں اس کا بیان تاریخ کے لیے بہت ضروری ہے انور سدید نے چوں کہ مختصر تاریخ لکھی ہے اس لیے وہ زیادہ وضاحت سے اور مفصل انداز میں تو سماجی حوالوں کو تاریخ میں شامل کرتے ہیں۔ اردو ادب کی مختصر آپ کی تاریخ زبان میں کل تیرہ ابواب شامل ہیں جس میں آغاز سے 1986ء تک کی تاریخ کو بالترتیب اصناف سخن بیان کیا گیا ہے۔

2۔ تقابل :"اردو ادب کی مختصر تاریخ" از انور سدید اور "تاریخ ادب" از جمیل جالبی۔

جمیل جالبی کی تاریخ اردو ادب کی اہم جامع تاریخ ہے اس کے بالمقابل انور سدید کی تاریخ کی مختصر تاریخ ہے اردو ادب کی مختصر تاریخ لکھنے کے لیے بھی انور سدید جو تکنیک اپنائی ہے اس کا تقابل جمیل جالبی کی تاریخ سے کیا ہے کہ دونوں تواریخ کی تکنیک میں کیا مماثلت اور فرق ہے۔ دونوں تواریخ اردو ادب کی تواریخ ہیں اور دونوں میں زمانی ترتیب سے تاریخ ادب کو مرقوم کیا گیا ہے مگر جمیل جالبی کی تاریخ مفصل ہے اور انور سدید کی تاریخ مختصر ہے تقابل میں ہم ان دونوں تواریخ کے اشتراکات وافتراکات کا تعین کریں گے۔

اشتراکات

ایسے پہلو جو ان دونوں تواریخ میں تکنیک کے حوالے سے مماثلت رکھتے ہیں ان کو ہم اشتراکات میں دیکھیں گے۔

ترتیب:

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اور اردو ادب کی مختصر تاریخ از انور سدید چوں کہ دونوں اردو ادب کی تواریخ ہیں اور دونوں کو زمانی ترتیب سے لکھا گیا ہے اس حوالے سے دونوں تواریخ ترتیب میں مماثلت ہے دونوں تاریخ میں زمانی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

جمیل جالبی تاریخ ادب اردو میں زمانی تاریخ کو مد نظر رکھا ہے اور وہ زمانی ترتیب سے ہی آگے بڑھتے ہوئے تاریخ ادب اردو کو لکھتے ہیں وہ زبان کے آغاز سے لے کر زمانی یا تاریخی اعتبار سے ہونے والے ارتقائی سفر کو تاریخ

ادب اردو میں پیش کرتے ہیں اسی طرح جب ہم ان اک تقابل انور سدید کی مختصر تاریخ سے کرتے ہیں تو وہ زمانی ترتیب سے ہی آگے بڑھتے ہیں مگر چوں کہ انھوں نے مختصر تاریخ لکھی ہے اس لیے وہ تاریخ ادب میں زمانی اعتبار سے چلتے ہوئے صنفی اعتبار سے بھی تاریخ بیان کرتے ہیں انور سدید مختصر تاریخ میں زمانی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

مثلاً وہ سب سے پہلے زبان کے آغاز و پس منظر پر بات کرتے ہیں پھر وہ زبان کی اہم اصناف اور زبان ہر اثر انداز ہونے والے عوامل کا ذکر کرتے ہیں پھر وہ شمالی ہند میں اردو اور پھر جنوبی ہند اور اسی ترتیب سے وہ آگے بڑھتے ہیں اور مخصوص شعرا کا تعارف بھی شامل کرتے ہیں اور مختلف موضوعات سے تاریخ کے سفر کو مکمل کرتے ہیں۔

جمیل جالبی تاریخ ادب اردو میں ابواب بندی میں فصلوں کی ذیل میں کرتے ہیں اور ایک فصل سے منسلک دیگر موضوعات کو ابواب کے عنوانات سے تحریر کرتے ہیں۔ مثلاً

جمیل جالبی تاریخ ادب اردو کے آغاز سے یوں موضوعات کو ترتیب دیتے ہیں۔

"تمہید: اردو زبان اور اس کے پھیلنے کے اسباب،

فصل اول: شمالی ہند(1707 -1050)

فصل دوم: گجری ادب اور اس کی روایت(1707 - 1050)

فصل سوم: اردو بہمنی دور میں(1525 - 1250)

فصل چہارم: عادل شاہی دور(1685 - 1290)

فصل پنجم: قطب شاہی"(1686 -1518) "(13)

یوں جمیل جالبی زمانی ترتیب سے چلتے ہوئے فصلوں کی ذیل میں ابواب بندی اور پھر ذیلی عنوانات کے تحت مختلف شعرا کا جائزہ لیتے ہیں۔

اسی طرح اگر ہم انور سدید کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو انھوں نے بھی زمانی ترتیب سے ہی لکھا ہے مگر وہ منفرد انداز میں عنوانات کی ذیل میں تاریخ لکھتے ہیں۔ انور سدید نے تاریخ ادب اردو کو زمانی ترتیب سے کچھ اس طرح عنوانات کی ذیل میں لکھا ہے۔

مثلاً

""""پہلا باب اردو زبان کی ابتدا پس منظر اور قدیم روایات،

دوسرا باب: اردو زبان و ادب کی ابتدائی نشو نما

صوفیا اور بھگتوں کا حصہ تیسرا باب: شمالی ہندوستان میں اردو ادب کا ابتدائی فروغ،

چوتھا باب: جنوبی ہند میں اردو ادب کا ابتدائی فروغ اردو کا قدیم دکنی ادب، بے جاپور، گولکنڈہ"(14)

ڈاکٹر انور سدید نے اردو ادب کی تاریخ کو تقریباً تیرہ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ڈاکٹر انور سدید کی تحریر کردہ تاریخ میں ابواب بندی کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر شازیہ نسیم لکھتی ہیں:

> "تیرہ ابواب پر مشتمل اس کتاب میں مصنف نے تقریباً ایک ہزار سال کی تاریخ ادب کے وسیع سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ کتاب کی خاص بات ہر اہم صنف اور شخصیت کا تفصیلی بیان ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب طلباء، اساتذہ، محققین، اسکالرز، ادباء اور شعراء سب کے لیے یکساں مفید ہے۔"(15)

دونوں تواریخ کا تکنیک کے حوالے سے تقابل کیا جائے تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں تواریخ زمانی ترتیب سے لکھی گئی ہیں گو کہ ان میں عنوانات اور ذیلی عنوانات کو مختلف انداز سے تحریر کیا گیا ہے مگر مجموعی طور پر ترتیب زمانی کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

سماجی عوامل:

تاریخ ادب اردو میں ہم ادب کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں اور ادب کا تعلق سماج سے ہے کیوں کہ ادب سماج میں فروغ پا رہا ہے اور سماجی عوامل اور مختلف مکاتب فکر لوگوں کے ساتھ ساتھ ادب کو بھی متاثر کرتے ہیں اس لیے ان سماجی عوامل کے زیر اثر تخلیق پانے والے ادب میں سماجی اثرات نمایاں ہوتے ہیں اس لیے جب ہم تاریخ کو دیکھتے تو سماجی عوامل کا ذکر تاریخ ادب اردو کا اہم جزو ہے ہم سماجی عوامل کے بنا تاریخ کو سمجھ نہیں سکتے اس لیے تاریخ میں سماجی عوامل کا ذکر ہونا لازم ہے تا کہ ہم تاریخ کو آسانی سے سمجھ سکیں۔

اس حوالے سے جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کا جائزہ لیا جائے تو وہ سماجی عوامل اور عہد کے تہذیبی عناصر کا بیان تاریخ ادب اردو میں کرتے ہیں۔

مثلاً اگر وہ زبان کے آغاز وارتقاء کی بات کرتے ہیں تو وہ زبان پر اثر انداز ہونے والے واقعات کا ذکر بھی کرتے وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ زبان کن حالات میں پروان چڑھی اور اس عہد میں کن رجحانات پر ادب تخلیق ہو رہا تھا، فاتحین نے کس طرح زبان پر اثر انداز ہوئے بولیوں نے زبان کے بننے میں کیا کردار ادا کیا ہے۔ جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ

"اردو زبان کی تشکیل و ترویج کے سلسلے میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ و ملتان کے تہذیبی و لسانی اثرات کے علاوہ چند اور واقعات بھی خاص اہمیت رکھتے ہیں ۔

• محمود و آل محمود تقریباً دو سو سال تک سندھ اور ملتان پر حکومت کرتے ہیں ان کے دور میں اردو زبان کی تشکیل ہوئی۔

• علاؤالدین خلجی کے گجرات فتح کرنے اور پھر دکن کی فتح کے بعد یہاں پر آنے والوں نے اپنے اثرات مرتب کیے پھر تیسرے نمبر پر محمد تغلق دہلی پر قابض ہوا تو اس نے ایک طریقے سے زبان وادب پر اپنے اثرات مرتب کیے -----ان تمام عوامل نے شمال سے لیے کر دکن گجرات تک اس زبان کے پھلنے پھولنے اور بڑھنے کے لیے ایسی سازگار فضا پیدا کر دی کہ یہ تیزی سے ترقی کے زینے چڑھنے لگی۔ صوفیائے کرام نے اس زبان کو تبلیغ دین واخلاق کے لیے استعمال کیا۔"(16)

اسی طرح ہم جب انور سدید کی مختصر تاریخ ادب اردو کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ بھی سماجی عوامل کو تاریخ ادب اردو میں جابجا شامل کرتے ہیں گو کہ مختصر تاریخ کی وجہ سے وہ واقعات کو زیادہ مفصل بیان نہیں کرتے ہیں مگر اختصار کا دامن تھامے ہوئے بھی سماجی حوالوں کو تاریخ ادب اردو میں لکھتے ہیں مثلاً

خواجہ حیدر علی آتش کے بارے میں لکھتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ

"آتش کی شاعری لکھنوئی مزاج کی آئینہ دار ہے اس میں جو اثر اور درد ہے وہ ان کی قناعت پسندی اور درویش مزاجی سے پیدا ہوا ہے---لیکن ان کے ہاں دہلوی انداز کی رومانی درد

مندی کے آثار بھی موجود ہیں آتش اگرچہ دہلوی اور لکھنوی مزاج کے امتزاج کا آئینہ دار تھے لیکن ان کا لہجہ اپنی انفرادیت دکھاتا ہے۔"(17)

ڈاکٹر انور سدید نے بھی اردو ادب کی تاریخ میں سماجی حوالوں کو شامل کیا ہے مگر وہ زمانی عوامل کو سرسری بیان کرتے ہیں واقعات کی تفصیل میں نہیں جاتے ہیں جس کی سبب بات میں تشنگی کا احساس رہتا ہے مگر ایسا بھی نہیں کہا جاسکتا ہے کہ تاریخ میں سماجی عوامل کو شامل نہیں کیا گیا وہ مختصراً شاعر کے حالات و واقعات کو بیان کرتے ہیں اور سرسری سماج کو بھی تاریخ میں شامل کرتے ہیں یہ حوالہ دیتے کہ شاعر کیا تھا کہاں سے ہجرت کی اور کس علاقے نے اس پر اثرات ڈالے اور ان اثرات کے زیر اثر کیسا ادب تخلیق ہوا۔

یوں تقابل کے بعد ہم کہ سکتے ہیں کہ انور سدید بھی سماجی حوالوں اور سماجی عوامل کو تاریخ ادب اردو کا حصہ بناتے ہیں مگر سرسری طور پر۔

افتراقات :

جمیل جالبی نے اردو ادب کی مفصل تاریخ لکھی ہے اور انور سدید نے اردو ادب کی مختصر تاریخ لکھی ہے اس لیے ان دو میں مماثلت کے باوجود افتراقات بھی موجود ہیں۔

موضوعات

اگرچہ دونوں تواریخ اردو ادب کی ہیں اور دونوں تواریخ میں زمانی ترتیب بھی یکساں ہے اور دونوں مورخین نے یکساں عہد کی تاریخ لکھی ہے۔ مگر ان دونوں تواریخ میں بڑا فرق مختصر اور تفصیل کا ہے پھر اس کے علاوہ انداز تحریر میں بھی وہ مختلف طرح سے تاریخ لکھتے ہیں مثلاً

ایک ہی عہد کی تاریخ لکھ رہے ہیں مگر موضوعات کو مختلف طرح سے برتا گیا ہے۔ جمیل جالبی کی تاریخ ادب ردو کو دیکھا جائے تو وہ جب اردو ادب کی تاریخ لکھتے ہیں تو زمانی ترتیب کے ساتھ چلتے ہوئے وہ ہر عہد کے سماجی حوالوں عہد میں فروغ پانے والی اصناف اور اس کے ساتھ ساتھ مصروف شعرا کا ذکر کرتے ہیں۔ان کی تخلیقات میں

سے مثالیں پیش کرتے ہیں۔اہم شعرا کا ذکر کرتے ہیں اور پھر ان کے ذکر کے دوران ہی وہ ان سے منسوب اصناف کے بارے میں بھی لکھتے ہیں۔

جمیل جالبی تاریخ ادب اردو میں "انیسویں صدی کے حالات کا ذکر کرنے کے بعد فعل اول کے ذیل میں چھ ابواب لکھتے ہیں جن میں بالترتیب اردو شاعری محرکات ورجحانات پھر شعرا کا ذکر کرتے ہیں پھر غلام ہمدانی مصحفی کی نثر ایک باب اور دوسرے باب میں ان تصانیف اور زبان پر مفصل بحث کرتے اور پھر سعادت یار خاں کے بارے میں لکھتے ہیں اس کے بعد روایت کی تکرار کے حوالے سے شعرا کا ذکر کرتے ہیں اور پھر روایت کی تبدیلی کے عمل کی ذیل میں دیگر شعرا کا ذکر کرتے ہیں اور ان پر تفصیلی بحث کرتے ہیں۔(18)

اس کے برعکس انور سدید کے ہاں موضوعات کا عنوانات مختلف ہیں وہ زمانی ترتیب کے لحاظ سے چلتے ہوئے اردو ادب کے نئے مرکز لکھنؤ کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی ذیل میں ان شعرا کا دوبارہ ذکر کرتے ہیں اور ان اصناف کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ مثلاً

اردو ادب کا نیا مرکز لکھنؤ کی ذیل میں وہ پہلے شعرا کے بارے میں لکھتے ہیں اس کے بعد وہ مرثیہ۔لکھنو کی محبوب صنف سخن اور پھر اس کے تعارف اور روایت کے بعد وہ اس کے حوالے سے وہ چند شعرا کا ذکر کرتے ہیں اور پھر وہ مثنوی کے لکھنوی زاویے کے بارے میں بھی اس طرح لکھتے ہیں اور اس وقت لکھنؤ کی داستان اور لکھنؤ کے اسٹیج ڈراماتک لکھتے ہیں۔(19)

اس کے علاوہ وہ ادب کے دو دبستان کے موضوع کو بھی شامل کرتے ہیں اور اس کی ذیل میں وہ دبستان دہلی اور دبستان لکھنو کے بارے میں لکھتے ہیں۔ یوں تقابل سے ہم اس بات کو سمجھ سکتے ہیں ہیں کہ انور سدید نے ذیلی موضوعات کے تحت تاریخ لکھی ہے گو کہ اس میں بہت سے غیر معروف شعرا کو بھی شامل کیا گیا ہے مگر اس کے باوجود موضوعات اس کو دوسری تواریخ سے منفرد بناتے ہیں ان موضوعات کے تحت اردو ادب کے اہم حوالوں کو مختصر پیش کیا گیا ہے۔

5۔نتائج

اردو ادب کی مختصر تاریخ از انور سدید کا تقابل تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی سے کر کے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تکنیکی اعتبار سے انور سدید نے بھی اردو ادب کی تاریخ کو زمانی ترتیب سے لکھا ہے اور وہ زمانی ترتیب سے ہی تاریخ کو مکمل کرتے ہیں مگر انور سدید کی تاریخ چوں کہ مختصر تاریخ ہے اس لیے اس میں سماجی عوامل کو سرسری بیان کیا گیا ہے جیسے کسی عہد کے سیاسی حالات اور حکمران کے بارے میں چند سطروں میں بات کو سمیٹا گیا ہے اس سے تشنگی باقی رہ گئی ہے مگر انور سدید نے مختلف موضوعات کے ذیل میں تاریخ ادب کے مختلف موضوعات کو بیان کیا ہے یوں موضوعات کے حوالے سے انور سدید کی تاریخ منفرد اور مختصر ہے مگر جمیل جالبی کی تاریخ کے بالمقابل تکنیک اور زمانی ترتیب کو مد نظر رکھا گیا ہے سماجی عوامل بھی ہیں مگر بہت اختصار کے ساتھ بیان کیے گیے۔اس حوالے سے انور سدید کی تاریخ ادب اردو موضوعات کے حوالے سے منفرد ہے مگر اس میں بھی بہت سے غیر معروف شعرا کو بھی شامل کیا گیا ہے۔اس کے باوجود انور سدید کی اردو ادب کی مختصر تاریخ میں ترتیب جمیل جالبی کی زمانی ترتیب کے قریب ہے اور معلومات کے بیان میں تشنگی ہے۔

3۔"اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ"از سلیم اختر

1۔جائزہ بحوالہ تکنیک

"اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ"از سلیم اختر اپنے نام میں "مختصر ترین"کی وجہ سے ہی خاصی توجہ کا مرکز بنی رہی ہے۔تکنیک میں ہم اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کو لکھتے وقت جو طریقہ اپنایا گیا اس جائزہ لیں گے تکنیک دراصل وہ بنیاد ہے جس پر تاریخ کی عمارت استوار ہوئی ہے تکنیک میں ہم تاریخ نویسی کی ترتیب اور اس میں سماجی عوامل کا جائزہ لیں گے چوں کہ تاریخ زمان کے ساتھ آگے بڑھتی ہے اس لیے تاریخ کا بنیادی ادب جس سماج میں پروان چڑھتا ہے اس سے براہ راست متعلق ہوتا ہے۔

اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ از سلیم کے بتیس 32 ایڈیشن چھپ چکے ہیں اردو ادب کی یہ تاریخ بھی بار 1971ء میں شائع ہوتی تھی۔اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ از سلیم اختر کا بتیسواں ایڈیشن 2018ء میں منظر عام پر آیا اور اس میں آغاز سے 2010ء تک اردو ادب کی تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے۔اردو ادب کی اس تاریخ کی تکنیک

دوسری تواریخ سے مختلف ہے کیوں کہ اردو ادب کی اس تاریخ میں زمانی یا تاریخی ترتیب کو مجموعی طور پر نہیں دیکھا گیا ہے اس میں کچھ واقعات کو زمانی ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور کچھ واقعات کو زمانی ترتیب کے علاوہ موضوعاتی ترتیب سے بیان کیا گیا ہے۔ سلیم اختر نے اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کو زمانی یا تاریخی ترتیب سے مفصل طور پر نہیں لکھا بلکہ وہ دونوں طریقوں سے کام لیتے ہیں کہیں وہ زمانی طور پر لکھتے ہیں اور کہیں وہ موضوعات کے اعتبار سے اردو ادب کی تاریخ لکھتے ہیں۔ سلیم اختر کی تحریر کردہ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کی تکنیک کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے ایک تاریخ ادب اردو لکھنے کے لیے کسی ایک تکنیک کو نہیں اپنایا بلکہ وہ ایک ہی وقت میں تکنیک کے مختلف تجربات کے تحت تاریخ لکھتے ہیں مثلاً

کہیں وہ زمانی ترتیب سے تاریخ لکھتے ہیں تو کہی وہ صنفی اعتبار سے اور کہیں وہ موضوعات کی ذیل اردو ادب کی تاریخ بیان کرتے ہیں وہ چوں کہ موضوعات کے اعتبار سے تاریخ لکھتے ہیں اس لیے موضوعات کے حوالے سے مختصراً سماجی عناصر کا بھی ذکر تاریخ ادب اردو میں کرتے ہیں۔

مثلاً

اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کا آغاز وہ مقدمہ سے کرتے ہیں جس میں ادبی تاریخ کے مقاصد اور محرکات پر بحث کرتے ہیں۔ سلیم اختر نے اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کو موضوعاتی و صنفی اعتبار سے لکھا ہے اور موضوعات میں یا اصناف میں وہ زمانی ترتیب کو بھی مد نظر رکھتے ہیں۔ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ از سلیم اختر میں کل 29 ابواب ہیں جن کے ذیل میں وہ مختلف موضوعات کے تحت تاریخی واقعات بیان کرتے ہیں۔

2۔ تقابل: اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ اور ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اردو ادب میں تاریخ کے حوالے سے ایک بڑا سرمایہ ہے اس کے بر عکس اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ از سلیم اختر اردو اادب کی مختصر ترین تاریخ ہے اور مختصر ترین کے عنوان کی وجہ سے اردو ادب میں بہت معروف ہے دونوں تواریخ چوں کہ اردو ادب کی تواریخ ہیں مگر ایک مختصر ہے اور ایک مفصل دونوں تواریخ کے تقابل سے ہم یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سلیم اختر نے اردو ادب کی تاریخ کو کن اصولوں کو مد نظر

رکھتے ہوئے اختصار سے قلم بند کیا ہے۔دونوں تواریخ اردو ادب کی اس لیے ان کی بنیاد تو ایک جیسی ہے مگر ایک مختصر ہے اور ایک طویل اور دونوں میں موضوعات کی ترتیب بھی منفرد انداز سے کی گی ہے اس لیے دونوں تواریخ میں اشتراکات و افتراقات بھی پائے جاتے ہیں تقابل کے ذریعے ہم دونوں تواریخ کی تکنیک میں اشتراکات کا جائزہ لیں گے۔

3۔اشتراکات:

سلیم اختر نے چونکہ منفرد تکنیک سے کام لیا ہے اس لیے جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو سے تقابل کے دوران تکنیک میں اشتراکات بہت کم ہیں۔

سماجی عوامل :

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی چوں کہ اردو ادب کی مفصل تاریخ ہے اس لیے جمیل جالبی نے ہر موضوع کو صرف ادب کا حصہ ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ ہر موضوع پر سماجی اثرات اور اردو ادب میں تہذیبی و سماجی عناصر کو تاریخ ادب اردو میں شامل کیا ہے۔ جمیل جالبی اردو ادب کی تاریخ کو عام سماجی حوالوں، عہد کے اثرات، روایات ،سایسی و سماجی واقعات سے منسلک کرتے ہوئے اردو ادب کی تاریخ مکمل کرتے ہیں۔وہ کسی بھی مصنف کا ذکر کرتے ہیں تو اس پر اس کے عہد کے اثرات اس کی تہذیب کے نمایاں پہلو اس عہد کے سیاسی و سماجی حالات کا حوالہ دیتے ہیں نیز یہ بھی کہ اس عہد کے نمایاں رجحانات کون سے ہیں اور کن چیزوں نے مصنف پر اثر ڈالا ہے مصنف کے حالات و آثار میں اس کے عہد و سماج کی جھلکیاں بھی دیکھاتے ہیں۔مثلاً

اگر ہم جمیل جالبی کی تکنیک کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ میر امن دہلوی کے بارے میں لکھتے ہوئے میر امن دہلوی کا تعارف کروانے کے بعد ان کے حالات زندگی اور پھر اردو زبان کی طرف رجحان کی بات کرتے ہیں اس عہد کے سماجی و تہذیبی عناصر کو کچھ اس انداز میں لکھتے ہیں۔ جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ

> "میر امن کے حالات زندگی پڑھ کر ذہن محمد تقی میر کی طرف جاتا ہے دونوں ایک ہی تہذیب کے پرور اور کم و پیش ایک ہی دور کے فرد تھے دونوں کی زبان و ذخیرہ الفاظ ایک سا

تھا۔ دونوں دلی کے باسی اور دلی کی روایت و تہذیب پر جان چھڑکنے والے ور گلی کوچوں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بولی جانے والی زبان پر فخر کرتے تھے۔ میر امن دلی سے اجڑ کر عظیم آباد ہوتے ہوئے کلکتہ فوٹ ولیم کالج سے وابستہ ہو جاتے اور محمد تقی میر بھی جیسا کہ روایت مشہور ہے کہ فورٹ ولیم کالج بلائے جاتے ہیں۔۔۔ میر امن کلکتہ کے اس دھارے سے جڑے جو مستقبل کی تہذیب کا مرکزی دھارا تھا میر امن بھی شاعر تھے اگر وہ لکھنو آتے تو روایتی شاعری یہی سے جڑ جاتے مگر فورٹ ولیم کالج پہنچنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کی ضرورت اور بدلتے زمانے کے نئے تقاضوں کے پیش نظر انہوں نے بول چال کی زبان میں نثر لکھی اور اردو زبان کے افسانوی ادب میں اولیت کا شرف حاصل کر کے اردو نثر نگاری کا نیا ڈول ڈالا۔ میر امن کلچر کے دھڑکتے دل (دلی) او بولتی زبان (اردو) کے نمایندہ ترجمان ہیں۔ "(20)

اس کی بیشتر مثالیں موجود ہیں کہ جمیل جالبی شعرا کا ذکر کرتے، ہوئے ان پر تہذیبی عوامل واثرات کو کس خوبی سے بیان کرتے ہیں۔ اس کے برعکس سلیم اختر کا جائزہ لیا جائے تو ان کے ہاں بھی سماجی عوامل کا ذکر ملتا ہے مگر مختصر تاریخ ہونے کے سبب وہ تہذیبی و سماجی عوامل کو بھی اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ مثلاً

جب وہ فورٹ ولیم کالج کے بارے میں لکھتے ہیں تو فورٹ ولیم کالج اس کا پس منظر تعارف کے بعد وہ گل کرسٹ کا تعارف کے بعد فورٹ ولیم کالج کی مطبوعات کے نام فہرست میں درج کرتے ہیں۔ اس کے بعد میر امن دہلوی کا مختصر تعارف کروانے کے بعد باغ و بہار کے بارے میں لکھتے ہیں۔ سلیم اختر لکھتے ہیں کہ

"میر امن المعروف میر امن دہلوی کے حالات زندگی کے بارے میں بالعموم تاریخیں اور تذکرے خاموش ہیں ان کے حالات کا سب سے اہم مآخذ باغ و بہار میں شامل ان کا دیباچہ ہے جس کے بموجب 1735ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ خاندانی جاگیر دار تھے مگر شاہ درانی کے حملے میں سب گھر بار لٹ گیا اور بعد ازاں سورج مل جاٹ نے جاگیر بھی چھین لی تو 1761ء میں تلاش معاش میں عظیم آباد مگر پریشان حالات سے تنگ آ کر مجھ عرصہ بعد

اہل وعیال چھوڑ کر کلکتہ کا رخ کیا۔۔۔ جہاں ڈاکٹر گل کرسٹ کی ایما پر 1801ء میں "باغ وبہار "کا ترجمہ کیا۔ "(21)

یوں ہم کہ سکتے ہیں کہ سلیم اختر بھی سماجی حوالوں کا بیان کرتے ہیں مگر وہ اختصار سے کام لیتے ہیں۔

4۔افتراقات :

سلیم اختر نے اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کو تاریخی تکنیک کے بجائے مختلف انداز سے لکھا ہے اس سے ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ تکنیک کے اعتبار سے جمیل جالبی کی تاریخ کے مقابلے میں ان میں افتراقات زیادہ پائے جاتے ہیں۔

ترتیب :

سلیم اختر نے ادبی تاریخ نویسی میں تاریخی ترتیب کو مد نظر نہیں رکھا بلکہ وہ کہیں پر زمانی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہیں اور کہیں پر موضوعات کی ذیل میں تاریخ لکھتے ہیں اور کہیں پر وہ صنفی ترتیب میں تاریخ لکھتے جاتے ہیں یوں ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ سلیم اختر نے تاریخ نویسی میں ادبی تاریخ نویسی کی تکنیک کو مکمل طور پر نہیں اپنایا بلکہ وہ اپنی ترتیب سے تاریخ لکھتے ہیں یا ہم یوں کہ سکتے ہیں کہ وہ مختلف عنوانات کے تحت بھی تاریخ ادب میں معلومات کو شامل کرتے جاتے ہیں۔

مثلاً

سلیم اختر نے اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کا پیش نقط مقدمہ میں تاریخ نویسی کے محرکات سے آگاہ کیا پھر باب اول وہ طاؤس، تخت طاؤس اور تخلیق کے عنوان سے لکھتے ہیں۔اس کے بعد باب دوم اردو ہے جس کا نام کے عنوان سے لکھتے ہیں اور اس میں زبان بنے کے مرحلے زبان کے ابتدائی ناموں اور بولیوں کے اثرات اور ارتقا کا سفر مختصر بیان کرتے ہیں اس کے علاوہ وہ زبان پر دوسری زبانوں کے اثرات کے بارے میں بھی لکھتے ہیں۔ باب 3 میں اردو زبان کے آغاذ کے بارے میں نظریات کا جائزہ لیتے ہیں یہاں وہ ہندوستان میں بولی جانے والی زبان کو جغرافیہ نقشہ بھی پیش کرتے ہیں اس طرح وہ زبان کی ابتدا کا سفر اور تعارف بیان کرتے ہیں۔اس کے بعد وہ" تخلیقی روئے اور اصناف ادب" کے عنوان سے اگلا باب لکھتے ہیں پھر وہ مختلف اصناف کا تعارف کرواتے ہیں جس میں وہ درآمدی

اور روایتی اصناف کے بارے میں لکھتے ہیں۔اصناف ادب کے بارے میں لکھتے ہوئے ہائیکو کو وہ شاعری کا جاپانی پھل کہتے ہیں اور مقامی اصناف میں وہ قصیدہ۔ڈراما، مرثیہ، شہر آشوب، قطعہ، رباعی، دوہا، اور گیت وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں ۔

اس کے بعد وہ مختلف مقامات پر یعنی مکانی ترتیب سے اردو ادب کا جائزہ لیتے ہیں جس میں وہ "جنوبی ہند میں اردو ادب"، "شمالی ہند میں اردو ادب"، "لکھنؤ کا دبستان شاعری"، "دہلی کے نامور شعراء" اس طرح وہ مخصوص مقامات پر اردو زبان وادب کے ارتقا کا سفر بیان کرتے ہیں پھر وہ اردو نثر کا ظہور مستشرقین اور یورپین شعرائے اردو کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر فورٹ ولیم کالج اور باغ و بہار کا ذکر کرنے کے بعد سر سید احمد خان اور ان کے دور میں اردو زبان وادب کے فروغ کی صورت حال بیان کرتے ہیں اور پھر مختلف اصناف ادب کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً "مرتبہ عہد بہ عہد اردو ڈراما" وغیرہ پھر اقبال کا تعارف، شاعری، موضوعات اور ان پر مفصل بحث کرتے ہیں۔

یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ سلیم اختر نے اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کو تاریخی ترتیب سے ہٹ کر لکھا ہے۔ جس سے وہ دل چسپ تو بن گئی مگر تاریخی تسلسل و ربط قائم نہیں رہ سکتا یوں سلیم اختر کی ترتیب تکنیک کے حوالے سے جالبی کی تکنیک سے یک سر مختلف ہے۔

معروضی طریقہ تحریر:

جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو میں معلومات کو موضوعی طور پر تحریر کیا ہے اور یہاں ہر بات کو مفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔اس کے برعکس سلیم اختر نے معروضی طریقہ تحریر اپنایا ہے۔ سلیم اختر بعض موضوعات کو معروضی طور پر یوں بیان کرتے ہیں کہ اس کو سمجھنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔ وہ معروضی طریقہ تحریر اپناتے ہوئے بعض اوقات نقشہ جات، جغرافیہ، نقوش کا اندراج بھی کرتے ہیں کہ کس علاقے میں کون سی زبان بولی جاتی ہے اور بعض اوقات وہ فہرست یا فلو چارٹ کی صورت میں معلومات کا اندراج ایسے کرتے ہیں کہ وہ انتہائی موثر اور دل چسپ انداز میں سمجھی جاسکتی ہیں سلیم اختر نے چوں کہ اردو ادب کی تاریخ کو مختصر رکھا ہے اس لیے معروضی تکنیک سے معلومات کا اندراج کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر ہم دیکھ سکتے ہیں کہ وہ جب زبان کے آغاز کے بارے میں نظریات تو ایک شے کی مدد سے وہ ہندوستان میں بولی جانے والی زبانوں سے متعارف فرماتے ہیں۔ سلیم اختر تاریخ ادب میں لکھتے ہیں": ہندوستان کی زبانیں مختلف علامتوں کے ذریعے مختلف زبانوں کے علاقوں سے آگاہ کرتے ہیں۔"(22)

اسی طرح جب وہ تخلیقی رویے اور اصناف ادب پر بحث کرتے ہیں تو اصناف ادب کو گراف کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ جس سے ہم اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ابتدا میں کون سی اصناف کتنی معروف تھی اور کن اصناف کو کم و بیش اظہار کا ذریعہ بنایا جاتا تھا۔ اس کے لیے وہ شعری اور نثری اصناف کا الگ الگ گراف پیش کرتے ہیں۔(23)

اس طرح وہ معلومات کو بڑے معروضی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ سلیم اختر فورٹ ولیم کالج کی بات کرتے ہیں تو فورٹ ولیم کالج کی مطبوعات کی فہرست بھی تاریخ اردو میں شامل کرتے ہیں۔اس کے بعد جب وہ علامہ اقبال کے بارے میں لکھتے ہیں۔ تو اقبال کے افکار کو بھی فلو چارٹ میں درج کرتے ہیں۔ بلکہ اس کو وہ نقشہ افکار اقبال کے عنوان سے تحریر کرتے ہیں۔ یوں تاریخ ادب اردو از سلیم اختر کا جب ہم جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو سے تقابل کرتے ہیں تو اس سے ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سلیم اختر معروضی معلومات کا اندراج کرتے ہیں جب کہ جمیل جالبی تفصیل کے ساتھ معلومات کو بیان کرتے ہیں۔

5۔ نتائج

اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ از سلیم اختر میں تکنیک کا تقابل جب تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی سے کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سلیم اختر کی تاریخ کی تکنیک جمیل جالبی کی تاریخ اردو سے یکسر مختلف ہے جمیل جالبی زمانی ترتیب یا تاریخی ترتیب سے تاریخ لکھتے ہیں جب کہ سلیم اختر نے اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کو موضوعاتی اور صنفی اعتبار سے لکھا ہے۔اس کے علاوہ جمیل جالبی کی تاریخ میں سماجی حوالوں کو مفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ مگر سلیم اختر اس کے برعکس سماجی حوالوں کو بھی سرسری بیان کرتے ہیں جمیل جالبی نے معلومات کو موضوعی اعتبار سے لکھا ہے جب کہ سلیم اختر نے معلومات کو معروضی انداز میں پیش کیا ہے کہیں کہیں یہ اندازِ بیان دل چسپ بھی معلوم ہوتا ہے۔ تقابل کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سلیم اختر اور جمیل جالبی کی تاریخ میں

تکنیکی اعتبار سے بے حد افتراقات موجود ہیں۔

حوالہ جات

1. نسیم عباس احمر، عامر سہیل، ڈاکٹر، (مرتبین)، ادبی تاریخ نویسی، پاکستان رائٹرز کواپریٹو سوسائٹی، لاہور ،2015، ص468۔
2. تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ (ابتدا سے 1857ء تک)، سنگ میل پبلشرز، لاہور، ص10۔
3. سوزن بیسنیٹ، تقابلی ادب: ایک تنقیدی جائزہ، مترجم؛ توحید احمد، پورب اکادمی، اسلام آباد، جون 2015ء، ص 37،38۔
4. جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو (جلد اول)، طباعت ششم، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2008ء، ص1 ۔
5. تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ (ابتدا سے 1857 تک)، ص19۔
6. جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، (جلد اول)، ص19,21,51,76۔
7. شازیہ نسیم، ڈاکٹر، تواریک ادبیاتِ اُردو کا تحقیقی جائزہ، مطبع: خلیقین، 2022، ص95 ۔
8. تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ (ابتدا سے 1857 تک)، ص 28تا23۔
9. جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو (جلد اول)، ص21،51،76۔
10. تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ (ابتدا سے 1857 تک)، ص5۔
11. تاریخ ادب اردو، جمیل جالبی (جلد سوم)، مجلس ترقی ادب، لاہور، طباعت ششم، 2008ء، ص727۔
12. تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ (ابتدا سے 1857 تک)، ص593۔
13. جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، (جلد اول)، ص(م، ن، س)۔
14. انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، بخاری پرنٹنگ پریس، لاہور، طبع پنجم، 2006 ء، ص5،6۔
15. شازیہ نسیم، ڈاکٹر، تواریک ادبیاتِ اُردو کا تحقیقی جائزہ، مطبع: خلیقین، 2022، ص95۔
16. جمیل جالبی ، ڈاکٹر ، تاریخ ادب اردو (جلد اول) ، مجلس ترقی ادب، لاہور ، طباعت ششم، 2008ء، ص 11,12,15۔
17. انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، ص173۔
18. جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، (جلد اول) طباعت ششم، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2008، ص101۔

19. انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، ص23۔

20. جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، (جلد سوم)، ص225۔

21. سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، بتیسواں ایڈیشن، ص310۔

22. سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص61۔

23. سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص127۔

باب سوم

ادبی تاریخ نویسی میں اسلوب کا تقابل

1۔ "تاریخ ادب اردو آغاز سے 1857ء تک" از تبسم کاشمیری

1۔ جائزہ بحوالہ اسلوب:

"تاریخ ادب اردو آغاز سے 1857ء تک" از تبسم کاشمیری جمیل جالبی کے بعد دوسری اہم تاریخ ہے۔ اسلوب دراصل وہ انداز تحریر ہے جس کو اپناتے مورخ تاریخ لکھتا ہے۔ جس بھی کسی موضوع پر لکھا جاتا ہے تو موضوع کے اعتبار سے اس کا اسلوب بھی اختیار کیا جاتا ہے۔ مورخ یا کوئی بھی مصنف اپنی تحریر کی نوعیت سے اسلوب اختیار کرتا ہے اور موضوع کو ایسے اسلوب میں بیان کرتا ہے کہ وہ اپنا اصل معنی و مفہوم ادا کرے اور اپنا معیار بھی برقرار رکھے اسلوب لکھنے والے کا بھی ہوتا ہے اور موضوع کا بھی ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کے مطابق ادبی تاریخ میں اسلوب کے حوالے سے جو خصائص اہمیت کے حامل ہیں ان میں منطقی انداز، الفاظ کا چناؤ، سادگی، سلاست و روانی (تسلسل)، وضاحت، جامعیت جیسے خصائص اہمیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تاریخ دب اردو آغاز سے 1857ء تک کا جائزہ لیا جائے تو تبسم کاشمیری نے تاریخ ادب اردو لکھتے ہوئے منطقی انداز اپنایا ہے۔ وہ سادہ الفاظ میں بات کرتے ہیں ناہی بہت زیادہ عامیانہ الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے اور نہ ہی بہت مشکل الفاظ بلکہ وہ سادہ الفاظ میں روانی سے بات کرتے ہوئے جاتے ہیں جس کو پڑھتے ہوئے قاری آسانی سے بات سمجھ سکتا ہے۔ تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

> "اس لسانی منظر میں شمالی ہند کی سیاست میں ایک بڑی تبدیلی آنی ہے جس سے مستقبل کا ہندوستان کئی صوبوں تک تہذیبی، فکری، تمدنی لسانی اور سیاسی سطح پر مسلسل متاثر ہوتا رہتا ہے۔ ہمارا اشارہ 1021 کی طرف ہے جب پنجاب غزنوی سلطنت کا ایک حصہ بن جاتا ہے جس سے شمالی ہند باقاعدہ طور پر ایک نئے تہذیبی تجربے کے دور سے گزرتا ہے۔"(1)

اسی طرح تبسم شمیری سادہ الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے روانی سے تاریخ نویسی میں واقعات کو بیان کرتے ہیں۔ تبسم کاشمیری نے تاریخ نویسی میں سادہ رواں اور تاریخ کے معیار کے مطابق اسلوب اختیار کیا ہے۔ان کی تحریر میں تحقیقی و تنقیدی دونوں رنگ نمایاں ہیں تبسم کاشمیری واقعات کو بہت زیادہ تفصیل سے بیان نہیں کرتے مگر موضوع کے مطابق اس میں کوئی تشنگی بھی باقی نہیں رہتی۔یعنی اختصار اور جامعیت کے ساتھ وہ کسی بھی موضوع پر بحث کرتے ہوئے سادہ انداز میں بات کرتے ہیں جو کہ تاریخ نویسی کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ تبسم کاشمیری نے تاریخ نویسی میں ایسا اسلوب اختیار کیا ہے کہ کسی بھی تشنگی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ اہم واقعات اور ضروری کوائف کو تفصیلی انداز سے بیان کیا ہے اور ضروری حد تک ان کی وضاحت بھی کی ہے۔ تبسم کاشمیری تاریخ ادب اردو میں واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔تاریخ پڑھتے ہوئے یہ محسوس نہیں ہوتا ہے کوئی واقعہ دوسرے سے منسلک نہیں بلکہ واقعات کو ایسی خوبصورتی سے وہ ایک مالا میں پروتے ہیں کہ تسلسل اور ربط قائم رہتا ہے تاریخ ادب کو آغاز سے لے کر ۵ ءتک واقعات جس طرح مدلل انداز میں تسلسل کے ساتھ سمیٹتے ہیں، وہ قابل داد ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے اسلوب کے حوالے سے لکھتے ہوئے محمد سعید لکھتے ہیں:

> "ڈاکٹر صاحب نے کہا میں متوازن رویہ اختیار کرتے ہوئے حسن انتخاب ذریعے اس میں حسن نظر پیدا کیا ہے۔ان کے حسن انتخاب کے بلند معیار سے نہ صرف حسن نظر بلکہ عملی بلند نظری پیدا ہوتی ہے اور اسی حسین علمی بلند نظری نے ادبی تاریخ جیسے خشک شے کو قابل مطالعہ بنا دیا ہے۔"(2)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی ادبی تاریخ کے اصول کا جائز لیا جائے تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے تاریخ نویسی کو سادہ، شگفتہ اور رواں اسلوب میں لکھا ہے، جو کہ تاریخ کو دلچسپ بناتا ہے۔

2۔تقابل: تاریخ ادب اردو ابتدا سے ۵ ءتک از تبسم کاشمیری -تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی

یہاں تاریخ ادب اردو ابتدا سے ۵ ءتک از تبسم کاشمیری کے اسلوب کا تقابل تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی کے اسلوب سے کریں گے۔ جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو چوں کہ ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کو بہت حد تک برتا گیا ہے۔ جو جمیل جالبی کے اردو ادب کی اب تک کی مکمل تاریخ ہے۔ جسم جمیل جالبی نے سادہ رواں اور

شگفتہ انداز میں بات کی ہے جمیل جالبی تاریخ نویسی کے دوران بیانیہ انداز اپناتے ہوئے حالات و واقعات کو بیان کرتے ہیں۔ جمیل جالبی خود بھی فرماتے ہیں کہ وہ تاریخ نویسی کے دوران مشکل الفاظ اور فارسی الفاظ سے اجتناب کرتے ہیں یہاں تک کہ کسی اصطلاح کا نام نہ ہو۔ یوں جمیل جالبی سادہ رواں اور شگفتہ انداز میں بات کرتے ہیں۔ تقابل میں ہم جمیل جالبی کی تاریخ نویسی کے اسلوب کا موازنہ تبسم کاشمیری سے کریں گے۔ اسلوب کے تقابل کے دوران الفاظ کا چناؤ، منطقی انداز بیاں، تحریر میں روانی، اختصار و جامعیت اور واقعات کی وضاحت کا جائزہ لیں گے۔ دونوں ایک ہی موضوع پر لکھی جانے والی تواریخ ہیں اس لیے ان میں بہت سے خصائص یکساں ہو سکتے ہیں تقابل میں ہم ان دونوں تواریخ کے اسلوب سے اشتراکات وافتراکات کا جائزہ لیں گے اور دونوں تواریخ میں یکساں عوامل کو اشتراکات اور مختلف عوامل کو افتراکات میں شامل کریں گے۔

اشتراکات:

جمیل جالبی اور تبسم کاشمیری کی تواریخ کے اسلوب میں جو جو عوامل یکساں ہیں ان کو ہم اشتراکات میں شامل کریں گے۔

سادہ زبان:

دونوں تواریخ میں جو مشترکہ پہلو ہے وہ یہ ہے کہ جمیل جالبی اور تبسم کاشمیری نے سادہ زبان استعمال کی ہے۔ وہ آسان اور سادہ الفاظ میں مشکل سے مشکل بات کہہ دیتے ہیں وہ الفاظ کا چناؤ کرتے ہوئے بہت محتاط رہتے ہیں کہ قاری اور مورخ کا رابطہ بھی برقرار رہتا ہے اور تاریخ پڑھتے ہوئے سمجھنے میں بھی کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ الفاظ کے چناؤ اور عبارت میں سادگی تحریر کو موثر بنادیتی ہے۔ جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ

> "اگر دکن کی یہ سلطنت باقی رہتی تو دکنی اردو کا یہ روپ قائم رہتا تو آج بھی نصرتی کا قدیم دور کا سب سے بڑا شاعر قرار پاتا۔ لیکن ہوا یہ کہ مغلوں کی فتح کے بعد شمالی ہند کی زبان دکنی ادب کی روایت پر غالب آگئی اور تیزی سے براعظم میں پھیل کر ادبی اظہار کا واحد معیار بن گئی۔"(3)

یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جمیل جالبی سادہ زبان میں تاریخ لکھتے ہیں اور غیر ضروری علمیت جھاڑنے کی کوشش نہیں کرتے۔ایسے ہی اگر ہم تبسم کاشمیری کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ان کے ہاں بھی زبان سادہ اور آسان الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ تبسم کاشمیری بھی تاریخ نویسی میں فرق کو مد نظر رکھتے ہوئے سادہ اور آسان الفاظ میں بات کرتے ہیں۔ تبسم کاشمیری لکھتے ہیں :

"درد اپنے عہد کی روحانیت باتہذیب اور ادب و شعر کی علامت تھے۔ان کی تنہا شخصیت میں اٹھارویں صدی کا ہندوستان سمٹ آیا تھا۔ ہمارے آج کے دور میں وہ ایک بڑے شاعر کی حیثیت سے زیادہ معروف ہیں۔ مگر اٹھارویں صدی کا ہندوستان انھیں ایک باعمل اور نظریہ ساز صوفی کی حیثیت سے زیادہ جانتا تھا۔"(4)

تبسم کاشمیری نے بھی جمیل جالبی کی طرح تاریخ نویسی میں سادہ اور آسان الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔ وہ بھی فارسی اور مشکل الفاظ کے استعمال سے اجتناب کرتے ہیں جس سے قاری کو تاریخ سمجھنا آسان ہوتا ہے۔

تسلسل وروانی:

ادبی تاریخ نویسی میں تسلسل بھی اسلوب کی اہم خوبی ہے۔ اردو ادب کی تاریخ از تبسم کاشمیری اور جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو چونکہ زمانی ترتیب سے لکھی جانے والی تواریخ ہے اس لیے دونوں تواریخ کے اسلوب کا مشترکہ پہلو اسلوب میں روانی اور تسلسل ہے۔ روانی اور تسلسل میں ایک تو واقعات کے بیان میں روانی ہے کہ واقعات کا آپس میں تسلسل ہو اور دوسری اہم عبارت میں روانی ہونا ہے اور عبارت میں روانی کے لیے ضروری مشکل الفاظ کے بجائے سادہ اور فطری انداز میں حالات و واقعات کو بیان کرتے ہیں۔ تاریخ نویسی میں تسلسل کو اہمیت اس لیے حاصل ہے کیوں کہ اگر تاریخ کا اسلوب بے ربط ہو گا تو قاری کو تاریخ سمجھنے میں اور واقعات کا آپس میں تعلق قائم ضروری ہے۔کیوں ہم دیکھتے ہیں کہ تبسم کاشمیری بھی واقعات کو تسلسل وروانی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔توانھوں نے واقعات کے بیان میں اختصار کے ساتھ کام لیا ہے مگر واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

مثلاً ڈاکٹر تبسم کاشمیری اگر میر وسودا کے دور کے بارے میں لکھتے ہیں پہلے اس دور کا پس منظر لکھتے ہیں پھر

مرزا محمد رفیع سودا اور میر تقی میر اور میر درد کے بارے میں لکھتے ہیں۔تینوں شعرا کا ذکر کرتے ہوئے نہ ان کے حالات و واقعات کے بیان میں تسلسل کی کمی نظر آتی ہے اور نہ ہی ان کی ترتیب میں ربط ٹوٹا ہے۔ تبسم کاشمیری نے واقعات کو اختصار سے لکھنے کے باوجود تاریخ کو دلچسپ بنا کر پیش کیا۔

وضاحت:

وضاحت تاریخ نویسی کے اسلوب کے حوالے سے بہت اہمیت رکھتی ہے کیوں کہ تاریخ نویسی میں ہم ادب اور تاریخ دونوں آپس میں یکجا کر کے بیان کرتے ہیں۔اس میں تاریخی واقعات شامل ہوتے ہیں اور ادب میں بھی اس لیے تاریخ نویسی میں ضروری واقعات کی وضاحت بھی بہت اہمیت کی حامل ہے۔وضاحت میں مورخ نے یہ طے کرنا ہوتا ہے کہ کون سی معلومات تاریخ کے حوالے سے اہم ہیں اور کون سی غیر اہم کن واقعات کو تاریخ نویسی کا حصہ ہونا چاہیے اور کون سے واقعات تاریخ نویسی میں غیر ضروری ہیں۔اس لیے تاریخ نویسی میں واقعات کی وضاحت مورخ کی دیانت اور مہارت کا پتا دیتی ہے کہ مورخ کس حد تک مہارت سے حالات و واقعات کو مناسب الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

تبسم کاشمیری بھی جمیل جالبی کی طرح ادبی تاریخ نویسی میں واقعات کو مفصل انداز میں بیان کرتے ہیں مگر وہ کسی بھی موضوع کے حوالے سے زیادہ اہم معلومات کو مفصل انداز میں بیان کرتے ہیں علاوہ ازیں وہ معلوماتکو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

مثلاً جمیل جالبی جلد چہارم میں سات ابواب کی ذیل میں غالب کے بارے میں معلومات دیتے ہیں۔جس میں سب سے پہلے وہ غالب کے دور کا پس منظر بیان کرتے ہیں پھر غالب کے عہد کے خصائص غالب کی شاعری، شاعری کے تجربات اور ان کی اردو نثر اور نثر میں ان کے مقام پر بات کرتے ہیں۔تقریبا ۵ صفحات پر غالب کے بارے میں مفصل انداز میں معلومات اور واقعات درج کیے ہیں۔اس کے برعکس کاشمیری بھی غداری کے بارے میں لکھتے ہوئے غالب کے احوال و آثار،اس کا پس منظر،حالات زندگی اور اردو ادب میں غالب کا مقام شعری و نثری اصناف پر بحث کرتے ہوئے تمام اختلاف کرتے ہوئے تمام معلومات کو تقریبا ۵ صفحات پر لکھا ہے۔

پیرایہ تحریر :

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی میں جمیل جالبی نے پیرایہ تحریر اختیار کیا ہے۔ تاریخ ادب اردو لکھتے ہوئے وہ الفاظ کا مناسب استعمال کرتے ہوئے ایسے تاریخ لکھتے جاتے ہیں جیسے تاریخ کی کہانی سنا رہے ہوں یا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ کے سفر میں قاری کو اپنے ساتھ لے کر سفر کر رہے ہیں اور ادب کی کہانی سنا رہے ہیں۔ جمیل جالبی کا اسلوب علمی و ادبی ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ سادہ اور دلچسپ بھی ہے۔ جیسے دوسری جلد کے آخر میں وہ لکھتے ہیں :"ناظرین اب ہم انیسویں صدی کے دہلیز پر کھڑے ہیں۔"(5) جمیل جالبی رواں اور دلچسپ انداز کے لیے الفاظ کا چناؤ بڑی احتیاط سے کرتے ہیں جمیل جالبی کا یہ اسلوب اور لہجہ قاری کو اپنے سحر میں گرفتار کرتا ہے جمیل جالبی کے اسلوب کے تقابل میں تبسم کاشمیری کے اسلوب کا جائزہ لیا جائے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گو تبسم کاشمیری کا اپنا انداز تحریر ہے مگر وہ تاریخ نویسی کے دوران ادبی تاریخ کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں۔

تبسم کاشمیری بھی تاریخ کو رواں اور سادہ الفاظ میں استعمال کرتے ہوئے بیانیہ انداز میں لکھتے ہیں گویا کہ کوئی کہانی سنا رہے ہوں۔ جیسے وہ خواجہ میر درد کا تعارف کرواتے ہیں: " اب اردو کے ایسے شاعر کا ذکر کرنے والے ہیں، جس کا خاندان اٹھارویں صدی میں شمالی ہند کے برگزیدہ صوفی خانوادوں کے شمار ہوتا ہیں۔" (6) کاشمیری تاریخ نویسی میں تحقیق و تنقید کا اسلوب بھی اختیار کرتے ہیں۔ وہ تاریخ کو بوجھل اور ثقیل الفاظ کا مجموعہ بھی نہیں بناتے بلکہ الفاظ کے مناسب استعمال سے عبارت کو رواں سلیس بناتے ہیں۔ بیانیہ انداز بیاں اپناتے ہوئے ایسا طرز تحریر اختیار کرتے ہیں علم و تخیل کے ملاپ سے بنتا ہے۔ جو قاری کے لیے بوجھل بھی نہیں اور آسانی سے بات سمجھ بھی سکتا ہے۔ تب تبسم کاشمیری نے ادبی تاریخ لکھتے ہوئے اسے علمی طرز نگارش اختیار کیا ہے اس میں مناسب مقدار میں مذکورہ پہلوؤں کی آمیزش بھی محسوس ہوتی ہے انھوں نے تکلف سے عاری اور جس سے پتہ کرنے والے عناصر سے معمور تھا اس لیے اور رواں دواں انداز تحریر اپنایا ہے جس نے علمی عبارت کو بھی بوجھل اور ثقیل ہونے سے محفوظ کر دیا۔"(7) سادہ اور رواں ہونے کے ساتھ تبسم کاشمیری کے دل کش اور بلیغ انداز بیاں اپنایا ہے۔ جو تاریخ کو

موثر اور دلکش بناتا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں: "اٹھارویں صدی کا ہندوستانی معاشرہ ذات کی شکستگی فنا اور امیر جی کا تجربہ کر رہا تھا۔ "(8) تبسم کاشمیری کی پیرایہ تحریر کے بارے میں ڈاکٹر میں محمد حسین لکھتے ہیں:

> "جو بات میں تاریخ کی دل آویزی میں مزید اضافہ کرتی ہے وہ اس کا شگفتہ اسلوب ہے جو تحقیق کی خشکی کے بجائے تاریخ میں تفہیم اور تجربے کی روشنی پیدا کرتا ہے۔"(9)

تاریخ ادب اردو از تبسم کاشمیری کا انداز بیاں شخصی لحاظ سے تو مختلف ہے مگر ادبی اسلوب کے حوالے سے دیکھا تو جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو میں اور تبسم کاشمیری کے اسلوب میں بہت سے خصائص مشترک ہیں۔

افتراقات:

تاریخ ادب اردو جمیل جالبی اور تبسم کاشمیری کی تاریخ ادبِ اردو میں بہت سے خصائص ایسے ہیں جو دونوں تواریخ میں سے مشترک ہیں، ان کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنے والے ان خصائص کو ہم افتراقات میں دیکھے دیکھیں گے۔

اختصار جامعیت:

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اردو ادب کی مفصل اور مکمل تاریخ ہے جو کہ چار جلدوں پر مشتمل ہے جو معلومات کا ایک اہم ذریعہ ہے اور اردو ادب کا سرمایہ بھی تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اردو ادب کی اب تک کی اہم مفصل تاریخ ہے۔ جمیل جالبی کی تاریخ میں اسکوب کا تقابل جب تبسم کاشمیری کی تاریخ ادب اردو سے کرتے ہیں جو بات ان دونوں تواریخ کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہے وہ تبسم کاشمیری کی تاریخ ادب اردو کی اختصار اور جامعیت ہے۔ جمیل جالبی نے جس معلومات کو تین جلدوں میں درج کیا ہے تبسم کاشمیری تاریخ ادب اردو کی ایسی معلومات کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ ایک جلد میں سمیٹتے ہیں اختصار سے جامع تاریخ لکھنا تبسم کاشمیری کا اہم کارنامہ ہے۔

نتائج:

تاریخ ادب اردو از تبسم کاشمیری کا تقابل کہ ہم تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی سے کرتے ہیں تو یہ نتیجہ

سامنے آتا ہے کہ تبسم کاشمیری کی تاریخ نویسی میں اسلوب کے بہت سے خصائص جمیل جالبی کی تاریخ نویسی کے خصائص سے ملتے ہیں۔دونوں مورخین نے تاریخ نویسی میں منطقی اسلوب کا استعمال کیا ہے۔دونوں مورخین نے ان کی علمی و ادبی اسلوب کو اپنانے کے ساتھ ساتھ شگفتہ انداز تحریر سے تاریخ نویسی کو دلچسپ بھی بناتے ہے۔ واقعات وحالات کو بیانیہ انداز میں یوں بیان کرتے ہیں جیسے کوئی کہانی سائی جارہی ہو۔ تبسم کاشمیری کی تاریخ کے اسلوب کو جو خوبی جمیل جالبی کی تاریخ سے مختلف کرتی ہوں ان کا احساس اوراے کہ وہ اہم اور ضروری معلومات کو کس طرح دلائل کے ساتھ مختصر پیش کرتے ہیں کہ تاریخ کو دلچسپ اور پر کشش بناتا ہے۔

2۔اردو ادب کی مختصر تاریخ از انور سدید

1۔جائزہ بحوالہ اسلوب :

اردو ادب کی مختصر تاریخ از انور سدید تو اریخ ادب اردو میں اپنے اختصار کی وجہ سے منفرد اہمیت کے حامل ہیں۔ انور سدید کی تحریر کردہ یہ تاریخ اپنا ایک الگ انداز اور اسلوب رکھتی ہے۔مورخ جس اسلوب کے تحت تاریخ نویسی کرتا ہے اسے ہم ادبی تاریخ نویسی کا اسلوب کہہ سکتے ہیں۔ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کے تحت ادبی تاریخ کے اسلوب میں جو چیز سب سے پہلے اہمیت کی حامل ہے وہ الفاظ کا چناؤ ہے کہ مورخ کن الفاظ اور کس انداز میں تاریخ کی داستان آپ کے سامنے پیش کرتا ہے ۔ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کے تحت تاریخ نویسی میں اسلوب کے جو خصائص بیان کیے گیے ہیں منطقی انداز بیان الفاظ کا چناؤ سلاست روانی تسلسل وضاحت ،جامعیت جیسے خصائص خاص اہمیت کے حامل ہیں۔انور سدید کی تحریر کردہ تاریخ ادب اردو کے اسلوب کا جائزہ لیا جائے تو انور سدید بھی ادبی تاریخ نویسی کے لیے سادی زبان کا استعمال کرتے ہوئے واقعات کو بیان کرتے ہیں نا ہی وہ بہت عامیانہ الفاظ استعمال کرتے ہیں اور نا ہی وہ ایسے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں جو تحریر کو بوجھل اور مشکل بنادیں انور سدید نے ادبی تاریخ نویسی میں علمی وادبی آثار سے ملا جلا اسلوب اختیار کیا ہے وہ ادبی تاریخ نویسی میں سادہ الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے اپنی طبیعت کی شگفتگی سے دلچسپ بناتے ہیں۔ انور سدید نے تحقیقی و تنقیدی دونوں رنگوں سے بھرپور اسلوب اختیار کیا ہے عنصر تاریخ نویسی میں چوں کہ وہ واقعات کے بیان میں اختصار سے کام لیتے ہیں اس لیے وہاں الفاظ کے چناؤ میں

بھی بہت محتاط رہتے ہیں کہ کم سے کم اور سادہ الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرتے ہیں۔پروفیسر سجاد اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ : "اردوادب کی مختصر تاریخ مواداور اسلوب کے اعتبار سے اب تک اس موضوع پر لکھی گئیں۔کتب میں سے اپنی الگ پہچان کرانے میں کامیاب کوئی ہے۔"(10)

انور سدید نے منفرد اور سادہ انداز تحریر سے اردوادب کی مختصر تاریخ کو ایک منفرد رنگ عطا کیا جس کے سبب اردوادب کی مختصر تاریخ باقی مختصر تواریخ سے منفرد نظر آتی ہے اور اپنا مقام و معیار متعین کرتی ہے۔پروفیسر سجاد حسین لکھتے ہی کہ : "اس کتاب کی بنیادی خوبی ہی اردوادب کا سلسلہ وار منظر نامہ ہے جو سادہ اور عام فہم زبان میں بڑے اختصار سے پیش کیا گیا ہے۔"(11)

انور سدید نے تاریخ ادب اردو جیسے خشک اور علمی موضوع کو سادہ اور دلکش انداز تحریر سے اردوادب میں منفرد مقام دیا ہے تاریخ نویسی میں سادگی کے ساتھ ساتھ ادبی رنگ بھی نظر آتا ہے ادبی رنگ کی یہ جھلک تاریخ کو تالیف سے تصنیف بنادیتی ہے یہ محض حالات وواقعات کا مجموعہ نہیں لگتی ہے بلکہ اختصار وسادگی کے پیرائے میں ادبی تاریخ کا منفرد نمونہ ہے۔

2 -تقابل :"اردوادب کی مختصر تاریخ"ازانور سدید اور "تاریخ ادب اردو"از جمیل جالبی

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اردوادب کی وہ تاریخ ہے جو اپنے منفرد و مفصل انداز کی وجہ سے اردوادب میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔تاریخ ادب اردو واردوادب کی مفصل تاریخ ہے اس کے برعکس انور سدید کی تاریخ اردوادب اردوادب کی مختصر تاریخ ہے اردوادب کی مختصر ترین تاریخ میں دریا کو کوزے میں بند کرنے کے فن کو اپنایا گیا ہے۔اتنے وسیع طول و عرض پر پھیلا ہوا اردوادب اور کئی دہائیوں کی تاریخ کو مختصر و موثر انداز میں بیان کرنا بڑی مہارت کا کام ہے۔ انور سدید نے بھی اس مہارت کو بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے اور اردوادب کی تاریخ کو مختصر انداز میں پیش کر کے ایک منفرد کارنامہ انجام دیا ہے۔دونوں تواریخ ایک ہی خطے اور ایک ہی وطن سے منسوب ہیں اور دونوں کی بنیاد ایک ہی ہے اس لیے ان تواریخ میں اسلوب کا تقابلی جائزہ لیا جائے گا تاکہ ان کے انداز تحریر کی منفرد اور مشترک خصائص کا بیان کیا جاسکے۔دونوں تواریخ میں جو بنیادی فرق ہے وہ اختصار اور وضاحت کا ہے۔اس کے

علاوہ وہ دونوں تواریخ میں منفرد انداز تحریر رواں اور دلچسپ عبارت سادہ الفاظ جیسے خصائص اپنائے گے ہیں اور دونوں تواریخ کا اسلوب بھی تاریخ کے معیار کے تعین میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

اشتراکات :

ایک ہی خطے کے ادب کی تواریخ ہونے کے سبب ان دونوں تواریخ میں بہت سے عوامل ایسے ہیں جو مشترک ہیں۔اسلوب کے حوالے سے جو خوبیاں دونوں تواریخ میں پائی جاتی ہیں ان کو ہم اشتراکات میں دیکھیں گے

۔

سادہ زبان :

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اور اردو ادب کی مختصر تاریخ کے اسلوب میں بنیادی طور پر جو خوبی قابل ذکر اور مشترک ہے وہ ان کی سادہ زبان ہے ان کا منطقی انداز تحریر ہے کہ عام اور سادہ الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے رواں عبارت لکھتا ہے۔دونوں تواریخ میں ایسے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے جو تاریخ کو قابل فہم بناتے ہیں عبارت کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ کسی دقت کے بغیر پڑھنے میں سمجھ آنے لگ جائے انور سدید نے بھی الفاظ کے چناؤ میں اعتدال برتا ہے۔سادہ زبان میں بھی ادبی رنگ چھلکتا ہے۔ جمیل جالبی بکٹ کہانی کے بارے میں لکھتے ہیں :

> "بکٹ کہانی میں افضل نے ایک عورت کی زبان سے جس کا پیار پردیس ہے وہ ہجر و فراق کی گوں ناگوں کیفیات کا نقشہ کھینچا ہے جو نیا مہینہ آتا ہے وہ ہجر کی آگ میں از سر نو جلنے لگتی ہے (12)"۔

جمیل جالبی بھی تاریخ نویسی میں بعض اوقات الفاظ میں آسانی سے بات کو بیان کرتے ہیں۔اسی طرح انور سدید بھی سادہ الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے چند لفظوں میں بات کو بڑے واضح انداز میں بیان کرتے ہیں۔ایہام گوئی کی تحریک کے بارے میں لکھتے ہوئے ایہام کے بارے میں یوں لکھتے ہیں۔"صنعت ایہام رعایت لفظی کے ایک مخصوص انداز کا اصطلاحی نام ہے اور اس کا تمام تر انحصار دو معنی الفاظ کے فن کارانہ استعمال پر ہے۔"انور سدید نے سادہ الفاظ کو اس طرح اپنی تحریر کا حصہ بنایا ہے کہ عبارت پر تاثر اور قابل فہم بن جاتی ہے وہ زیادہ لفظوں

میں الجھنے کے بجائے چند لفظوں میں معنی و مفہوم سے آشنا کرتے ہیں۔

تسلسل و روانی:

ادبی تاریخ نویسی میں ادب سماج، تاریخ واقعات، تہذیب بیت سے شامل ہیں اس لیے ادبی تاریخ کی خوبی یہ ہے کہ ان تمام عوامل کا بیان اس طرح سلاست و روانی سے کیا جائے یہ تمام عوامل ایک دوسرے میں پیوسط نظر آئیں اور عبارت کو پڑھتے ہوئے کہیں بھی ربط کی کمی نہ ہو جمیل جالبی کی تاریخ میں واقعات کا بیان ہو یا ادبی تحریروں کی مماثلتیں تسلسل و روانی بر قرار رہتا ہے۔ میر درد کے بارے میں لکھتے ہوئے ان اسلوب میں روانی کو دیکھا جا سکتا ہے وہ لکھتے ہیں :

"میر درد کے مزاج میں استقلال، ہمواری اور ٹھہراؤ تھا۔ ان کے تعلقات اسی سطح پر سب سے قائم تھے انسانی رشتوں کا احترام ان کے لیے مزھب جا درجہ رکھتا تھا اور دل آزاری کو وہ گناہ سمجھتے تھے۔ خواجہ میر درد ہمیشہ انسان میں خدا کو دیکھتے رہے۔

؎ یارب راست گو نہ رہو عہد پر تیرتے

بندے سے ہو

نہ کر کوئی بندہ شکستہ دل"(13)

وہ ایک درد مند دل رکھتے تھے امر اللہ ابادی نے ایک دفعہ لکھا ہے کہ میر درد ایک دن رمناسخ کی سیر کو گئے ۔ان کی نظر پھولوں پر پڑی تو دیکھا کہ کچھ پھول مرجھا گئے ہیں اور کچھ تازہ و شگفتہ ہیں کلیوں اور پھولوں کی شادانی ،افسردگی کو دیکھ کر انھیں اپنا آغاز و انجام یاد آگیا۔۔۔ استقلال ان کے مزاج میں ایسا تھا کہ دلی کے اجڑنے پر جب عزت دار بے عزت ہو گے اور اہل کمال ایک ایک کر کے دلی چھوڑ کر باہر جانے لگے، وہ اپنی جگہ سے نہ ملے اور ساری تکلیفیں خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے اس دور میں جب ہر چیز خاک ہو رہی تھی میر درد سید سکندری کی طرح اپنی جگہ ہے جمے رہے ان کی زندگی ایک صوفی و درویش کی زندگی تھی۔"(14) یہاں ہم نے ان کی ایک عبارت کو مثال کے طور پر دیکھا ہے کہ ان کی تحریر میں کئی حد تک سلاست و روانی پائی جاتی ہے۔ وہ ادب سے مثالیں دیں

حالات زندگی سناتے یا اس عہد کے حالات کا بیان کریں ان کی تحریر کی روانی اور تسلسل قائم رہتا ہے۔اسلوب کی یہ خوبی قاری کو متوجہ کرتی اور تحریر کو دلچسپ بناتی ہے۔

اس طرح جب ہم انور سدید کے ہاں اسلوب کا جائزہ لیتے ہیں تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انور سدید واقعات کا اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں مگر عبارت میں روانی قائم رکھتے ہیں۔الفاظ میں ایسا تسلسل ہوتا ہے کہ پڑھنے والا عبارت کی طرف متوجہ ہوتا ہے انور سدید نے مختصر تاریخ لکھی ہے۔اس لیے ان کے ہاں واقعات کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔مگر ان کے اسلوب میں روانی پھر بھی برقرار ہے وہ مختصر عبارت رکھتے ہیں چند لفظوں میں بات کہتے ہیں مگر عبارت کی روانی میں فرق نہیں آنے دیتے ،یہی وجہ ہے کہ انور سدید کا اسلوب اختصار کے باوجود پر تاثیر ہے۔اس کی ایک مثال دیکھتے ہیں انور سدید فورٹ ولیم کالج کے بارے میں لکھتے ہیں :

> "فورٹ ولیم کالج کی ابتدا اور ریمنگ نمیری سے ہوئی جو گلکرسٹ کی سربراہی میں 1899 میں قائم کیا گیا ڈیڑھ برس گے بعد جب کالج کا مسودہ منظور ہو گیا تو یہ ادارہ بند کر دیا گیا فورٹ ولیم کالج کے ذریعے وسیع تر مقاصد حاصل کرنے کا جو پروگرام بنایا گیا اس کے تحت مشرقی زبانوں کے علاوہ قانون ،تاریخ ،سائنس ،مزہبیں اور تجارت کے علاوہ یورپ کی جدید زبانوں کی تعلیم بھی پیش نظر رکھی گی۔"(15)

ادبی تاریخ نویسی کے اسلوب میں روانی عبارت کو پر تاثیر بناتی ہے۔سلاست و روانی دونوں تواریخ کی مشترکہ خوبی ہے۔

پیرایہ تحریر :

سادگی اور روانی عبارت کے علاوہ دونوں تواریخ میں اسلوب کی جو خوبی مشترک ہے وہ ان کا پیرایہ تحریر ہے۔طرز نگارش وہ انداز تحریر ہے جو ادبی تاریخ کے اسلوب کو شگفتہ اور دل فریب بناتا ہے کہیں کہیں دونوں تواریخ میں بیانیہ الفاظ کو خوب صورت انداز میں عبارت کا حصہ بناتے ہیں۔ جمیل جالبی کی تاریخ نویسی میں بیانیہ انداز اور شگفتگی دونوں پائے جاتے وہ ویسے تو ادبی تاریخ لکھتے ہوئے موضوع کو مد نظر رکھتے ہوئے الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں اور شاعرانہ یا غیر ادبی اسلوب اختیار نہیں کرتے مگر جمیل جالبی کا طرز تحریر شگفتہ اور پر تاثیر ہے۔وہ ہلکے پھلکے

انداز میں بات کرتے ہیں جیسے وہ لکھتے ہیں۔" جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں اٹھارویں صدی تاج محل دلی تہذیب کے زوال کی صدی ہے۔"(16)

> "شاعری کی جس روایت کی بنیاد ولی دکنی نے ڈالی اور جس طور پر حاتم تک اس عمارت کی تعمیر ہوتی رہی تھی وہ عمارت اس دور میں بن کر تیار ہو گی اور ایسی تیار ہوئی کہ داغ تک اس کے مقابلے کی کوئی دوسری عمارت نہ بنائی جا سکی۔"(17)
>
> "اٹھارویں صدی برائے رجحانات کے دم توڑنے اور نئے رجحانات کی پیدائش کی صدی ہے۔ جو کچھ اس صدی میں ہوا اس کی واضح صورت انیسویں صدی میں نظر آتی ہے حال کا ماضی سے اور مستقبل کا حال سے یہ رشتہ ہے اور اسی رشتے سے زندگی کا تسلسل قائم ہے ناظرین اب ہم انیسویں صدی کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔"(18)

مندرجہ ذیل بالا مثالوں سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تاریخ نویسی میں جمیل جالبی کا طرز نگارش کسی حد تک سادہ اور شگفتہ تھا۔

ہاں کم اگر انور سدید کے طرز تحریر کو جمیل جالبی کے اندازِ نگارش سے تقابلی جائزے میں دیکھتے ہیں تو ہمیں اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انور سدید بھی سادہ اور شگفتہ طرز تحریر میں لکھتے ہیں۔ روانی اور انداز بیان ایک سا ہے البتہ انور سدید کی تحریر میں شگفتگی کا عنصر زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کی تاریخ سے اسلوب کی مثالوں کو دیکھتے ہیں۔ انور سدید لکھتے ہیں :

> "اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے نصف اول لکھنو شعر و ادب کا گہوارہ تھا۔ مصحفی، انشا، ناسخ اور آتش جیسے بڑے شعرا اس دنیا شاعری کے تابندہ ستارے تھے جن سے سینکڑوں شاعروں نے روشنی اکتساب کی اور لکھنوٴ شعری روایت کے وارث بن گئے۔"(19)
>
> "گزشتہ اوراق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اردو ادب کا فروغ و ارتقاء کسی منضبط منصوبہ بندی کا نتیجہ نہیں تھا اردو کی افرانش (..........) کی طرح ہوئی۔ شایان سلطنت اور امرائے

دربار نے شعرا کی سرپرستی کی لیکن اس میں ادب وری سے زیادہ نمائش ذات کا جذبہ شامل تھا۔اردو زبان نے اپنی غذا عوام سے حاصل اور اثمار بالاامتیاز سب لوگوں میں تقسیم کیے۔"(20)

دونوں تواریخ کے اسلوب کا تقابل کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں تواریخ میں طرز تحریر شگفتہ اور انداز بیانیہ اپنایا گیا ہے۔

افتراقات:

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اردو ادب کی مفصل تاریخ ہے جب کہ انور سدید کی تاریخ اردو ادب کی مختصر تاریخ ہے اسلوب کے بہت سے پہلو یکساں ہونے کے باوجود ان میں کچھ پہلو منفرد بھی ہیں۔

مختصر و جامع:

اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ میں جو خوبی اسے دوسری تواریخ سے منفرد کرتی وہ اس کے اسلوب میں اختصار ہونے کے باوجود جامعیت ہے۔انور سدید نے اردو ادب کی مختصر تاریخ لکھی ہے مگر یہ معلومات بھرپور ہے۔ انور سدید دریا کو کوزے میں بند کرنے کا فن جانتے ہیں اور دور جدید کے مصروف وقت میں انور سدید کی تاریخ اہم معلوم ہوتی ہے اور معلومات کا بھی اہم ذریعہ ہے۔انور سدید چند جملوں میں بہت سی معلومات کو یک جا کرنا جانتے ہیں۔ان کے پاس یہ شاعرانہ فن ہے کہ زیادہ مفصل بیان کو بھی چند لفظوں کی مدد سے بیان کرتے ہیں یعنی اختصار کے باوجود معلومات اور اہم نکات کا بیان ایسی خوبصورتی سے کرتے ہیں پس پردہ سارے واقعات کی منظر کشی ہو جاتی اور تاریخ کا تاثر بھی قائم رہتا ہے۔ مثلا انور سدید سوانح نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"عہد سرسید میں مولانا حالی و شبلی نے سوانح نگاری کا جو معیار قائم کیا تھا اسے سید سلیمان ندوی اور عبدالسلام ندوی نے قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔مولانا غلام رسول مہر اور شیخ اکرام نے سوانح نگاری کے نئے زاویے تلاش کیے۔"(21)

یوں وہ بہت اہم نام اور ان کے حوالے سے اہم معلومات کو تاریخ کا حصہ بناتے کہ چند جملوں میں پوری روداد سامنے آجاتی ہے۔اسی طرح جب وہ لکھنو کے شعرا کے بارے میں لکھتے تو اس مضمون کو یوں قلم بند کرتے ہیں۔

> "اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے نصف اول میں لکھنو شعر و ادب کا گہوارہ تھا مصحفی، انشاء، ناصح، جرات اور آتش جیسے بڑے شعرا اس دبستان شاعری کے تابندہ ستارے تھے جن سے سینکڑوں شاعروں نے روشن اکتساب کی اور لکھنؤ شعری روایت کے وارث بن گئے۔"(22)

یوں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انور سدید نے مختصر تاریخ کو بھی بڑے سلیقے اور فن سے لکھا ہے کہ وہ چند جملوں میں پوری روداد بیان کرنے کا فن جانتے ہیں یوں ان کی تاریخ میں اختصار تو ہے مگر اسلوب میں جامعیت بھی موجود ہے جو اردو ادب کی مختصر تاریخ کا خاصہ ہے۔

نتائج :

اردو ادب کی مختصر تاریخ از انور سدید کا تقابل تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی سے کیا تو ہمارے سامنے یہ بات سامنے آئی کہ دونوں تواریخ میں اسلوب کے حوالے سے کچھ خصائص تو مشترک تھے۔ مثلاً دونوں تواریخ کے اسلوب میں روانی، سلاست، سادہ الفاظ کا استعمال ایک جیسا ہے، جو کہ تاریخ کو موثر اور قابل فہم بناتا ہے۔اسی طرح دونوں مورخین کے ہاں اسلوب میں شگفتگی اور بیانیہ انداز دونوں تواریخ میں پایا جاتا ہے۔ جمیل جالبی کا اسلوب میں خالص علمی و تحقیقی رنگ کے ساتھ ادبی انداز بیان بھی نمایاں نظر آتا ہے۔انور سدید چوں کہ اختصار کی راہ پر چلتے ہوئے تاریخ لکھتے ہیں، اس لیے ان کے ہاں الفاظ میں جامعیت اور ادبی رنگ بھی موجود ہے۔یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انور سدید کے اسلوب بیان میں بھی کسی حد تک خصائص پائے جاتے ہیں جو ادبی تاریخ کا خاصہ ہیں۔

3 - اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ از سلیم اختر

1 -جائزہ بحوالہ اسلوب :

اردو ادب کی تواریخ میں سلیم اختر کی "اردو ادب کی مختصر تاریخ" اپنے نام کی وجہ سے بہت معروف ہے۔ اردو ادب کی یہ تاریخ اردو زبان وادب کے آغاز سے لیکر 2010ء تک کے اردو ادب کے حوالے سے اہم معلومات کا مرکز سمجھی جاتی ہے اس تاریخ کو مختصر ترین کی وجہ سے اردو میں بہت توجہ کا مرکز بنی رہی ہے ہم یہاں پر اس کا اسلوبی جائزہ لیں گے۔اسلوب دراصل طرز تحریر طرز نگارش ہے ہر مصنف اور موضوع کا اپنا اسلوب ہوتا ہے، جس کے تحت وہ لکھا جاتا اور کوئی بھی موضوع یا صنف ہو الفاظ کا چناؤ اس کے معیار کے مطابق کیا جاتا ہے۔اسلوب میں زیادہ خوبصورت وہ اسلوب ہے کو موضوع کے معیار پر پورا اترے اور پڑھنے والا بھی اس کے مفہوم کو آسانی سے سمجھ سکے۔تاریخ چوں کہ علمی و تحقیقی معلومات کا مجموعہ ہے اس لیے اس کا اسلوب بھی اسی کے مطابق ہونا چاہیے۔ سلیم اختر کی تحریر کردہ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ اردو ادب کی معروف تاریخ بن گئی اور اس کے نئے ایڈیشن کبھی ترامیم اور اضافے کے ساتھ چھپتے رہتے ہیں۔اردو ادب کی اس مختصر تاریخ کا اسلوب خالص علمی یا تحقیقی نہیں ہے بلکہ بعض اوقات وہ صحافیانہ اور بول چال کا انداز اپناتے ہیں۔ تحقیقی کتاب میں چوں کہ علمی معلومات درج ہوتیں ہیں اس میں سادہ الفاظ کا اپنانا الگ بات ہے مگر گفتگو کا انداز یا شاعرانہ زبان ادبی تاریخ کے لیے موثر نہیں ہے۔سلیم اختر نے سادہ اور رواں اسلوب اپنایا ہے مگر علمی عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں عام بول چال کا انداز نہ اپنایا جائے۔اس کے علاوہ ان کے ہاں اختصار اور جامعیت بھی اسلوب کا خاصہ ہے کہ وہ بہت مختصر انداز میں معلومات کو چند الفاظ میں سمیٹ کر بیان کرتے ہیں۔ڈاکٹر جلیل اشرف سلیم اختر کے اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :

> " سلیم اختر کا اسلوب مدلل ہوتا ہے اس کے علاوہ اختصار اور جامعیت سلیم اختر کے اسلوب کا خاصہ ہے۔ سلیم اختر کا اسلوب موضوع کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے اس کے علاوہ سلیم اختر کے اسلوب پر ان کی شخصیت کی چھاپ نظر آتی ہے۔"(23)

سلیم اختر کی تاریخ ادب اردو کو اسلوب کا جائزہ لیا جائے تو اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اختصار ،روانی و سلاست کے ساتھ ساتھ جامعیت بھی ان کا خاصہ ہے مگر اس کے باوجود ان کا انداز تحریر باقی مورخین سے بھی مختلف ہے اور ادبی تاریخ کے اسلوب سے بھی کیوں کہ وہ کہیں کہیں گفتگو کا انداز اپناتے اور کہیں وہ ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ تاریخ کے بجائے شاعرانہ تحریر کا گماں ہوتا ہے۔ مثلاًاردو ادب کی مختصر تاریخ کے پہلے باب کا عنوان "

طاؤس، تخت طاؤس اور تخلیق" دیتے ہیں دوسرے باب کا عنوان "اردو" ہے جس میں سلیم اختر ایسے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں کہ پڑھتے ہوئے تاریخ سے زیادہ کسی کہانی یا شاعری کی زبان محسوس ہوتی ہے۔ (24)

اس حوالے سے گیان چند جین کا کہنا ہے کہ :" یہ تاریخ محقق نوعیت کی نہیں نصابی ہے۔انداز گفتار میں ہر جگہ علمی سنجیدگی نہیں، صحافیانہ اور بولی ٹھولی کا انداز اختیار کرنے کا لکھا ہے۔ مثلاً عنوانات ملاحظ ہوں: "تقسیم کی کرنیں، فلسفہ اور تنقید کی مکھیاں، ٹھہرے پانی میں پھتر، پھول جمع کرنے والے۔۔۔ تحقیقی کتاب میں ہم یہ انداز سوچ بھی نہیں سکتے۔"(25) یوں ہم کہ سکتے ہیں کہ سلیم اختر نے تاریخ نویسی میں مکمل طور پر تاریخ کا اسلوب نہیں اپنایا بلکہ کہیں ان کا اسلوب محققانہ ہوتا اور کہیں وہ شخصی اسلوب بھی اپناتے ہیں سلیم اختر نے ادبی تاریخ نویسی میں اسلوب کے مختلف تجربات آزمائے ہیں۔

2-تقابل: اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ از سلیم اختر اور تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اردو ادب کی ایک مکمل اور مفصل تاریخ ہے اس کے برعکس سلیم اختر کی تاریخ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ ان دونوں تواریخ کا موضوع اور احاطہ ایک ہی ہے مگر ایک مفصل انداز میں لکھی گی ہے اور ایک کو مختصر لگا گیا ہے دونوں تواریخ کے اسلوب کا تقابل کیا جائے گا یعنی ہم جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو سے سلیم اختر کی تاریخ کا تقابل کریں گے کہ سلیم اختر کا اسلوب کیا ہے۔

جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کے اسلوب کی نمایاں خصوصیات میں الفاظ کا مدلل اور منطقی انداز میں استعمال کرنا، سلاست و روانی، وضاحت، تسلسل و ربط، عام فہم زبان اور بیانیہ انداز ہے۔اس کے برعکس سلیم اختر کا اسلوب کیا ہے، ہم اس کا جائزہ لیں گے اور ان دونوں تواریخ کے اشتراکات وافتراکات دیکھیں گے۔

اشتراکات:

سلیم اختر کی تاریخ نویسی کا انداز روایتی تاریخ نویسی کو نئے انداز سے لکھتے ہیں۔ان کی تاریخ نویسی کے اسلوب کا جائزہ لیا جائے تو سلیم اختر نے اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کو تحقیقی اسلوب کے بجائے شخصی اسلوب میں لکھا ہے ۔ان کا انداز بیان الفاظ کا چناؤ عبارت کو منفرد اور دل چسپ بناتا ہے مگر ادبی تاریخ کے اسلوب کے معیار پر نہیں

اترتا۔ سلیم اختر کی تاریخ پڑھتے ہوئے ادبی تاریخ سے زیادہ شاعرانہ یاافسانوی تحریر کا گمان ہوتا ہے۔ وہ ایسے عنوانات لکھتے ہیں کہ عنوان پڑھتے ہوئے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ وہ کس بارے میں بات کر رہے ہیں۔ان کا انداز بیان منفرد بھی ہے اور اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کو بہت مقبولیت بھی حاصل ہے مگر جمیل جالبی کے اسلوب کے تقابل میں سلیم اختر کے اسلوب میں اشتراکات کے تقابل میں سلیم اختر کے اسلوب میں اشتراکات بہت کم پائے جاتے ہیں۔ جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو میں تحقیقی و تنقیدی مد نظر رکھتے ہوئے ایسا ادبی اسلوب اختیار کیا ہے جو مدلل بھی ہے اور مناسب بھی۔ جمیل جالبی سادہ زبان میں روانی سے تاریخ بیان کرتے ہیں یوں محسوس ہوتا ہے کوئی کہانی سن رہے ہیں جب کہ سلیم اختر کی تاریخ کو پڑھتے ہوئے تجریدی افسانے کا سا انداز نظر آتا ہے، جس میں افسانوی عنوانات کے تحت بات کی گی ہے۔دونوں تواریخ میں روانی اور مدلل انداز مشترک ہے۔تاریخی معلومات کو مدلل انداز میں بیان کرتا ہے۔

دونوں تواریخ میں تاریخی واقعات کو مدلل انداز میں بیان کیا گیا ہے اسلوب میں روانی اور سادگی بھی ہے۔ مثلاًا گروہ اردو کو بھری بھاشا کہا ہے تو اس حوالے سے مختلف محققین اور ناقدین کی آرا کو بھی شامل کرتے ہیں۔اس سے اسلوب میں مدلل انداز واضح ہوتا ہے۔

افتراقات :

تاریخ ادب اردو از جمیل سے اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کے اسلوب کا تقابل کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دونوں تواریخ میں اشتراکات کی نسبت افتراقات زیادہ ہیں چوں کہ سلیم اختر تاریخ نویسی کے تحقیقی و منطقی اسلوب سے زیادہ شخصی اسلوب کو ادبی تاریخ نویسی میں برتتے ہیں اس لیے ان کا اسلوب باقی تواریخ سے منفرد ہے۔

اختصار و جامعیت :

سلیم اختر نے اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ لکھی ہے اس سے اس کا خاصہ اختصار تو ہے ہی وہ اختصار سے ہی ادبی تاریخ کو لکھتے چلے جاتے ہیں یعنی وہ واقعات کو مختصر اور اہم حوالوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اردو ادب کے اہم ناموں کو اس میں شامل کرتے ہیں سلیم اختر کے اسلوب میں اختصار کے ساتھ جامعیت کا عمدہ ثبوت یہ ہے کہ وہ

بہت سی معلومات کو فہرست یا گراف کی صورت میں بھی لکھتے ہیں۔ جیسے وہ اردو ادب کی اصناف سے متعارف کرواتے ہوئے باب دوم میں اصناف کے بارے میں لکھتے ہوئے اصناف کا ایک گراف بناتے ہیں جس کو دیکھ کر اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اردو ادب میں کس دور کون سی صنف زیادہ معروف تھی یا کس صنف میں شعرا اور مصنفین زیادہ طبع آزمائی کر رہی ہیں۔۔اس حوالے سے سلیم اختر لکھتے ہیں۔

"اصناف کے سکے :

اصناف کے آغاز اور مجموعی حیات کو پیش نظر رکھنے پر واضح ہو جاتا ہے کہ مختلف اصناف کی نشو نما اور مقبولیت میں یکسانی کے برعکس مدوجزر کی سی کیفیت ملتی ہے بعض اصناف جیسے غزل،افسانہ ہنوز مقبولیت کے نصف النہار ہر ہیں جبکہ روایتی مورت میں قصیدہ اب ناپید ہے۔"(26)

پیرایہ تحریر:

ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کو مد نظر رکھا جائے تو سلیم اختر کا پیرایہ تحریر ادبی تاریخ نویسی سے منفرد ہے تقابل سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ سلیم اختر کا انداز بیان الفاظ کا چناؤ ادبی تواریخ کے انداز سے مختلف ہے سلیم اختر ادبی تاریخ نویسی میں تحقیقی و تنقید انداز تحریر کے بجائے شاعرانہ انداز اختیار کرتے ہیں جس کو دیکھتے ہوئے تاریخ پڑھتے ہوئے کسی افسانوی تحریر کی رنگارنگی کا احساس ہوتا ہے۔اس حوالے سے سلیم اختر کی تاریخ سے کچھ مثالیں دیکھتے ہیں۔ مثلاً

"اردو زبان کی بات کرتے ہوئے جب زبان کے ارتقا کا سفر بیان کرتے ہیں تو اردو کے حوالے سے برج بھاشا کی بیٹی "کا عنوان لکھتے ہیں " جرس غنچہ کی صدا" پردہ اٹھتا ہے "" دیوی کے چرنوں میں شعر کا نذرانہ "شاعری کچھ غم جاناں، کچھ غم دوراں،ادبی شیروں اور بکریوں کا گھاٹ "انشائیہ کا سیاپا"،"اردو تنقید"۔۔۔نگاہ باز گشت۔"(27)

انھوں نے مختلف پیرایہ تحریر اپنایا ہے اس کے علاوہ عام بول چال کے انداز میں تاریخ نویسی کرتے ہیں۔ کہیں وہ شاعرانہ انداز بیان تو کہیں افسانوی رنگ دکھاتے اور کہیں وہ عام بول چال کی زبان بولتے ہیں یا بیانیہ انداز

اپناتے ہیں۔ سلیم اختر لکھتے ہیں :"اب حقیر راقم کی آرزو ہے کہ اردو دیوان غزلیات کے انتخاب کے بعد فارسی دیوان کے جمع کرنے کی طرف توجہ کروں ۔"(28)یوں ہم کہ سکتے سلیم اختر نے اردو ادب مختصر ترین تاریخ میں عامیانہ اور منفرد اسلوب اختیار کرتے ہیں۔

نتائج :

سلیم اختر کی مختصر ترین تاریخ کے اسلوب کا تقابل جب ہم جمیل جالبی کی تاریخ کے اسلوب سے کرتے ہیں تو ہمیں اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ سلیم اختر نے ادبی تاریخ کے اسلوب سے یکسر مختلف ہے۔ بلکہ ہم یوں کہ سکتے ہیں کہ سلیم اختر کی تاریخ نویسی کا اسلوب ادبی تاریخ نویسی کے اسلوب کی مطابق نہیں ہے کیوں کہ ان کا انداز تحریر شگفتہ تو ہے مگر اس میں تاریخ نویسی کی سی روانی نہیں ہے اور نا ہی سادہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اگر ہم اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کے اسلوب کو منفرد اور دل کش کہیں تو یہ بے جا نا ہو گا مگر یہ آدبی تاریخ کے لوازمات پر پورا نہیں اترتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ تبسم کاشمیری، اردو ادب کی تاریخ (آغاز سے 1857ء)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2003ء، ص19۔

2۔ محمد سعید ،ادبی تاریخ نگاری اسلوب کی اہمیت (مضمون)، ادبی تاریخ نویسی، مرتبین، ڈاکٹر عامر سہیل/نسیم احمر عباس، 2015ء، ص313۔

3۔ جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو (جلد اول)، مجلس ترقی ادب اردو، لاہور، طباعت ششم، 2008ء، ص351 ۔

4۔ تبسم کاشمیری، اردو ادب کی تاریخ (آغاز سے 1857ء)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2003ء، ص344۔

5۔ جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو (جلد دوم)، مجلس ترقی ادب، لاہور، طباعت ششم، 2009ء، ص1127۔

6۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ، آغاز سے 1857ء، ص339۔

7۔ فخر الحق نوری، ڈاکٹر، اردو کی تاریخ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا تازہ کارنامہ (مضمون)، ادبی تاریخ نویسی، ص488۔

8۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ، آغاز سے 1857ء، ص246۔

9۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ، آغاز سے 1857ء، ص90۔

10۔ سجاد نقوی، پروفیسر/ڈاکٹر، انور سدید: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، 2010ء، ص114۔

11۔ سجاد نقوی، پروفیسر/ڈاکٹر، انور سدید: شخصیت اور فن، ص113 ۔

12۔ جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو (جلد اول)، ص630 ۔

13۔ جمیل جالبی، تاریخِ ادبِ اردو (جلد سوم)، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع دوم، 2008ء، ص439،440۔

14۔ جمیل جالبی، تاریخِ ادبِ اردو (جلد دوم)، ص440۔

15۔ اردو ادب کی مختصر تاریخ، انور سدید، ص225

16۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ (جلد دوم)، ص469۔

17۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ (جلد دوم)، ص474۔

18۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ (جلد دوم)، ص1127۔

19۔ انور سدید، اردو ادب کی مختصر تاریخ، بخاری پرنٹنگ پریس، لاہور، طباعت دہم، 2013ء، ص185۔

20۔ انور سدید، اردو ادب کی مختصر تاریخ، ص223۔

21۔ ایضاً، ص 319۔

22۔ ایضاً، ص185۔

23۔ جلیل اشرف، ڈاکٹر، سلیم اختر: بحیثیت نقاد، ٹی اینڈ ٹی پبلشرز، لاہور، 1999ء، ص83۔

24۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، 2018ء، ص24۔

25۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، اردو کی ادبی تاریخیں، انجمن ترقی اردو پاکستان، 2000ء، ص793۔

26۔ سلیم اختر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلشرز، 2008 ء، ص127۔

27۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ ، ص128، 130، 160۔

28۔ ایضاً، ص222۔

باب چہارم

ادبی تاریخ نویسی میں ماخذات کا تقابل

1 - جائزہ بحوالہ مآخذات

تاریخ ادب اردو (ابتداء سے 1857ء تک) جمیل جالبی کی تاریخ کے بعد دوسری اہم تواریخ میں شمار ہوتی ہے۔ تاریخ نویسی میں ماخذات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کیوں کہ جب ہم تاریخ لکھتے ہیں تو اس میں درج واقعات و حالات تک رسائی کے لیے ماخذات بہت اہمیت رکھتے ہیں کسی بھی عہد کی تاریخ ہو یا ادب کی حقائق تک رسائی کے بنا تاریخ لکھنا ممکن نہیں ہے اور حقائق تک رسائی کے لیے ماخذات ہی بنیادی کڑی ہیں۔ادبی تاریخ نویسی کے بنیادی و ثانوی دونوں ماخذات تک رسائی ضروری ہے کیوں کہ ادب کا تعلق سماج سے ہے اور سماج میں ہونے والے تہذیبی عمل کا ادب پر بڑا گہرا اثر ہوتا ہے اس لیے تاریخ نویسی میں جب ہم ماخذ کی بات کرتے ہیں تو بنیادی ماخذ کے علاوہ اس عہد کے حوالے سے دیگر (یعنی ثانوی ماخذات بھی ضروری ہیں مورخ بنیادی اور ثانوی ماخذات کو ایک ساتھ دیکھتے ہوئے اور ان میں ربط پیدا کرتے ہوئے کسی بھی ادب پارے کا مقام متعین کرتا ہے اور ادب پارے کے مقام کے تعین کے لیے جہاں مورخ کا صاحب نصرت ہونا لازم ہے وہی حقائق تک رسائی کے لیے ماخذات بہت اہمیت کے حامل ہیں۔

ادبی تواریخ کے ماخذات کو بھی دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں بنیادی ماخذ کا زیادہ تر مقصد مفرد ادیب تحقیقات ہے۔اس میں ادیب کی تخلیقات، مسودے، ڈائریاں، خطوط، طبعی و تعلیمی ریکارڈ وغیرہ۔غرض ادیب سے وابستہ تمام اہم دستاویزات شامل ہیں۔ مصنف کے مقام کے تعین اور ادب پارے کی مقبولیت اور عدم مقبولیت کے لیے ثانوی مآخذ اہم ہوتے ہیں، جن میں مصنف کے حوالے سے دی جانے والی آرا اور ایسی تصانیف جن میں مصنف کے بارے یا اس کے ادب پارے کے بارے میں مختلف ناقدین یا مورخین کی آرا پائی جاتی ہو۔اس کے علاوہ ماخذات میں بیاضوں اور تذکروں کی بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔اس کے علاوہ مخطوطات ملفوظات اور تزکات تاریخ ادب کے اہم ماخذ میں شمار ہوتے ہیں۔ ہم یوں کہ سکتے ہیں کہ ماخذات ہی وہ بنیاد ہیں جن پر تاریخ کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ تاریخ نویسی میں تخلیقات، ڈائریاں، مسودے، خطوط، بیاضیں، ہم عصر تواریخ اخبارات، رسائل و

جرائد، اور انٹرویوز ماخذات کے حوالے سے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

تبسم کاشمیری کی تاریخ ادب اردو میں ماخذات کا جائزہ کیا جائے تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے کسی بھی واقعے کی چھان بین کے لیے تمام بنیادی اور ثانوی ماخذات تک رسائی کی بھرپور کوشش کی ہے۔ تبسم کاشمیری تاریخ ادب اردو لکھتے جہاں اس موضوع کے حوالے سے لکھی جانے والی گزشتہ تواریخ کو دیکھتے ہیں وہیں اس کے حوالے سے اصل اور بنیادی ماخذات تک بھی پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تبسم کاشمیری نا صرف واقعات کے حقائق دریافت کرنے تک محدود رہتے ہیں بلکہ ان حقائق کے حوالے سے دیگر تواریخ اور ان کے اثرات تک بھی پہنچے کی کوشش کرتے ہیں۔ کسی موضوع پر اگر گزشتہ تواریخ میں کوئی معلومات ہے اور اس میں اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کے حوالے سے پہلے سے موجود معلومات اور نئی تحقیق دونوں کو حوالوں کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے مآخذ کے اندراج کے لیے اب تک کی جانے والی تواریخ کے علاوہ تذکروں، سیاسی و سماجی تواریخ، کلیات و دواوین کو دیکھا ہے۔ اس بات کا اندازہ ان کی تاریخ کے آخر پر دی گئی کتابیات سے لگایا جاسکتا ہے۔ تبسم کاشمیری کے ماخذات اور ان کی درستی کے حوالے سے ڈاکٹر فخر الحق نوری لکھتے ہیں کہ

> "تاریخ ادب اردو لکھتے ہوئے تبسم کاشمیری نے تین سو اٹھاون اردو کتب اور جو 84 انگریزی کتب سے استفادہ کیا ہے اگر اس میں بعض کتابوں کی جلدوں کی مناسب ہے اضافہ کر لیا جائے تو یہ تعداد بالترتیب 429 اور (89) تک جا پہنچی ہے۔ ان میں بہت سی کتابیں ایسی بھی ہیں جو ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں اور اردو ادب کی کسی تاریخ میں استعمال نہیں ہوتیں ۔۔۔۔ ثانوی ماخذ پر اکتفا کرنے ے بجائے اصل متون کو کھنگال کر مثالوں کا انتخاب کیا ہے۔"(1)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے تاریخ ادب اردو میں نا صرف ماخذ تک رسائی حاصل کی ہے بلکہ انھوں نے نگارشات کے نمونے بھی تاریخ ادب اردو میں شامل کیے ہیں اس حوالے سے وہ شعرا کے قلمی نسخے بھی کتاب میں مثال کے طور پر شامل کرتے ہیں۔ تبسم کاشمیری نے تاریخ ادب اردو میں مختلف شعرا اور امرا کی تصاویر اور جس علاقے کی زبان اور لسانی ارتقا کی بات کرتے ہیں اس کے ساتھ نقشہ جات کا اندراج بھی کرتے ہیں دستاویزات اور نگارشات کے نمونے کے حوالے سے یہ بات بھی خاص اہمیت کی حامل ہے۔ تبسم کاشمیری مخطوطات اور قلمی نسخوں سے بھی

مستفید ہوتے ہیں اور اس حوالے سے اہم مثالوں کو تاریخ ادب اردو کا حصہ بناتے ہیں۔ مثلاً جب وہ نصرتی کے بارے میں لکھتے ہیں اور اس کی مثنوی "گلشن عشق" کے بارے میں لکھتے ہیں تو وہ مثنوی کے اشعار کو بھی متن میں شامل کرتے ہیں اور قلمی نسخے کی تصویر بھی صفحہ نمبر 139 پر "نصرتی کی گلشن عشق کا ایک ورق" بھی شامل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے بنیادی وثانوی دونوں ماخذات کو تاریخ نویسی کے حوالے سے جانچا ہے اور جا بجا ان کی مثالیں اور نمونے بھی اردو ادب کی تاریخ میں شامل کیے ہیں وہ کتاب کے آخر پر اردو اور انگریزی دونوں دونوں طرح کی کتب جن سے وہ تاریخ نویسی کے دوران مستفید ہوئے ان کی فہرست درج کرتے ہیں اس کے علاوہ انھوں نے نقشوں کی مدد سے مختلف ادوار میں اردو کے فروغ کا حدود اربعہ بھی بیان کیا ہے تاریخ ادب اردو میں تبسم کاشمیری نے ماخذات کو بہت مناسب انداز میں تاریخ کا حصہ بنایا ہے اور ماخذات سے تاریخ میں حقائق کو بیان کیا ہے۔

تقابل: 'تاریخ ادب اردو ابتداء سے 1857ء تک' از تبسم کاشمیری اور 'تاریخ ادب اردو' از جمیل جالبی

تاریخ ادب اردو (ابتدا سے 1857ء) کی پہلی اشاعت اول 2003 ء میں ہوئی اس سے قبل جمیل جالبی تاریخ ادب اردو کی دو جلدیں چھپ چکی تھیں جلد اول اور جلد دوم تاریخ ادب اردو جلد اول کی پہلی اشاعت (1975ء) میں ہوئی اور جلد دوم (1982ء) میں منظر عام پر آئی ہوں ہم کہ سکتے ہیں کہ تبسم کاشمیری نے جب تاریخ لکھنا شروع کی تو جمیل جالبی کی تحریر کردہ تاریخ ادب اردو ایک نمونے کے طور پر سامنے آچکی تھی، اس لیے تبسم کاشمیری نے جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو سے بھی استفادہ کیا اور دوسرے اہم حوالہ جات سے بھی ہم دونوں تواریخ میں ماخذات کی حوالے سے تقابل ،ماخذات کے حوالے کے اندراج کا طریقہ کار کا تقابل دستاویزات و نگارشات کے اندراج کا تقابل ماخذات کے حوالے دونوں تواریخ کے افتراکات واشتراکات کا تعین کریں گے تبسم کاشمیری کی تاریخ ادب اردو جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کے بعد دوسری بڑی اہم تاریخ کہلائی جاتی ہے۔ ہم تقابل کے دوران جائزہ لیں گے کیوں اور کیسے یہ دونوں تواریخ ایک دوسرے سے متفرق و مماثل ہیں۔

اشتراکات :

اشتراکات میں ہم ماخذات کے اندراج کے حوالے سے دونوں تواریخ کے مشترکہ پہلوؤں کا جائزہ لیں

گے۔تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اور تاریخ ادب اردو از تبسم کاشمیری دونوں تواریخ ایک ہی مدت کی تاریخ کا احاطہ کرتی ہیں اس لیے دونوں کے حوالوں میں اشتراکات بھی موجود ہیں ہاں مگر دونوں الگ الگ وقت میں لکھی گی اور دونوں مورخین نے اپنے اپنے تحقیقی عمل سے ان کو لکھا ہے اس لیے ان کا حوالوں میں افتراقات بھی موجود ہیں۔ پہلے ہم دونوں تواریخ میں اشتراکات کا جائزہ لیں گے۔

بنیادی ماخذ:

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اردو ادب کی مفصل تاریخ ہی اس لیے جمیل جالبی کے ہاں حوالے زیادہ نظر آتے ہیں۔اس کے برعکس تبسم کاشمیری تاریخ کے واقعات کا خلاصہ اپنے الفاظ جب پیش کرتے ہیں اور ھر ان میں مثالوں کے طور پر حوالہ جات کا اندراج کرتے ہیں۔ تبسم کاشمیری کی تاریخ ادب اردو میں اہم بات یہ بھی ہے کہ وہ تاریخ ادب اردو میں ماخذات کے حوالے سے جمیل جالبی کی تحریر کردہ تاریخ کو بھی حوالے کے طور پر تاریخ میں شامل کرتے ہیں اس بات سے ہم ان دونوں تواریخ میں حوالہ جات کے اشتراکات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری اور جمیل جالبی کی تواریخ میں بہت سے بنیادی حوالوں میں فرق یہ ہے کہ جمیل جالبی مفصل تاریخ لکھنے کے سبب زیادہ بنیادی حوالوں تک رسائی حاصل کرتے ہیں تبسم کاشمیری چوں کہ اختصار سے کام لیتے ہیں اس لیے ہر بات کو مثال کے ساتھ پیش نہیں کرتے اس کے باوجود دونوں تواریخ میں بہت سے حوالے مشترک ہیں۔ مثلا دونوں تواریخ میں امیر خسرو کی مثنوی نہ سپہر پر بات کرتے ہوئے بنیادی ماخذ مشترکہ ہے۔ مثلاً

بنیادی ماخذ میں اشتراکات کا جائزہ لیا جائے تو جمیل جالبی اور تبسم کاشمیری دونوں کی تواریخ میں خسرو کی مثنوی نہ سپہر کا حوالہ شامل ہے جس میں جمیل جالبی اس کی فارسی مثال تاریخ ادب اردو میں دیتے ہیں جبکہ تبسم کاشمیری اس مثنوی کا ترجمہ تاریخ ادب اردو میں شامل کرتے ہیں۔(2)

اس طرح مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کے حوالے سے ذکر آتا ہے تو دونوں تواریخ میں اس کے اشعار کے نمونے شامل ہیں تبسم کاشمیری اس کا قلمی نسخہ بھی تاریخ ادب اردو میں شامل کرتے ہیں۔(3)

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اور تاریخ ادب اردو از تبسم کاشمیری میں بنیادی ماخذات کے اشتراک کے حوالے سے دیکھا جائے تو وہاں جب ہم تواریخ کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں تو بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن میں دونوں تواریخ میں یکساں بنیادی ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے اس حوالے سے شعراء کے کلام کی مثالیں نمایاں ہیں۔

مثلاً دونوں تواریخ میں برہان الدین جانم کی شاعری کے حوالے سے مثالوں کا تعین "ارشاد نامہ" سے کیا گیا ہے۔(4)،(5) دیگر یکساں بنیادی ماخذات میں "گلشن عشق" از نصرتی بھی شامل ہے گو کہ دونوں کے حوالوں کا اندراج مختلف ہے مگر دونوں تواریخ میں "گلشن عشق" کو بطور ماخذ شامل کیا گیا ہے۔(6)،(7)

مورخین نے تاریخ لکھنے کے لیے الگ الگ انداز اپنایا ہے جمیل جالبی اردو ادب کی تاریخ کو مفصل انداز میں تحریر کرتے ہیں وہ مصنف یا شاعر کے حوالے سے جب بھی معلومات تحریر کرتے ہیں تو اس کے حوالے سے مفصل بیان کے ساتھ تمام باتوں کی تصدیق کے لیے حوالوں کا اندراج بھی کرتے ہیں اس کے برعکس تبسم کاشمیری اسی معلومات کو اختصار سے پیش کرتے ہیں اور اس کے ساتھ حوالہ جات کا اندراج بھی کرتے ہیں دونوں تواریخ کے تقابل میں مختلف موضوعات کا تقابل کیا جائے تو تبسم کاشمیری کم الفاظ و صفحات میں معلومات کو سمیٹتے ہیں۔ مثال کے طور پر غلام ہمدانی مصحفی کے احوال و آثار تعارف کتب اور ان کے کلام کے حوالے سے جمیل جالبی نے تقریباً 84 سے زیادہ صفحات لکھے ہیں جب کہ اسی حوالے سے تبسم کاشمیری نے معلومات کو تقریباً 11 صفحات میں سمیٹا ہے اسی لیے دونوں تواریخ میں بنیادی ماخذات کے اندراج میں بھی فرق ہے اس لیے تبسم کاشمیری نے بنیادی ماخذات کو بھی جمیل جالبی کی نسبت کم شامل کیا ہے۔ مگر دونوں کتب میں بنیادی ماخذات سے استفادہ کیا گیا ہے خاص طور پر شعرا کے کلام کے اور مثالوں کے حوالے سے بنیادی ماخذات کا اندراج کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے شعرا کے دیوان و شعری مجموعے بھی بنیادی ماخذات میں شامل ہیں جو دونوں تواریخ میں شامل ہیں۔

شعرا کے کلام کے حوالے سے اگر ہم بنیادی ماخذات کا جائزہ لیا جائے تو تبسم کاشمیری اور جمیل جالبی دونوں نے شعری مثالوں کے لیے شعرا کے دیوان اور شعری مجموعے سے کلام اخذ کرتے ہیں۔

مثلاً: دونوں تواریخ میں غلام ہمدانی مصحفی کے کلام کے لیے بنیادی ماخذ کیسے مصحفی سے کلام مصحفی اخذ کیا گیا ہے۔تاریخ ادب اردو میں جمیل جالبی بھی کلیات مصحفی کا حوالہ دیتے ہیں ۔

"کلیات مصحفی ،دیوان ششم ،غلام ہمدانی مصحفی ،مرتبہ ڈاکٹر نور الحسن نقوی ،ص 67...68,
مجلس ترقی ادب ، لاہور ،1994۔"

تبسم کاشمیری بھی تاریخ ادب اردو میں کلیات کا حوالہ دیتے ہیں :

""""ڈاکٹر نور الحسن نقوی ،مرتب، کلیات مصحفی نو جلدیں لاہور : مجلس ترقی ادب 1996)جلد ہشتم ۔

دونوں تواریخ میں بنیادی ماخذ کو دیکھا گیا ہے مگر دونوں تواریخ میں حوالہ منفرد انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔دونوں تواریخ میں اشعار کے ساتھ حوالہ نہیں دیا گیا ہے ، بلکہ اشعار کے بعد اس حوالے سے بحث کے بعد اجتماعی حوالہ دیا گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اشعار نور الحسن کی مرتبہ کلیات سے کیے گے ہیں۔

اسی طرح فورٹ ولیم کالج کے حوالے سے لکھتے ہوئے دونوں مورخین جب باغ و بہار پر بات کرتے ہیں تو اس سے معلومات بھی اخذ کرتے ہیں اور دونوں کتب میں اس کا حوالہ بھی درج کرتے ہیں دونوں تواریخ کے بنیادی ماخذات کے ہی تقابل سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ کسی بھی موضوع کے حوالے سے دونوں تواریخ میں بنیادی ماخذ کو دیکھا گیا ہے۔دونوں تواریخ میں بنیادی ماخذ بہت حد تک یکساں بھی ہیں اور چند ایک ماخذات منفرد بھی نظر آتے ہیں۔

ثانوی ماخذات

تواریخ میں بنیادی ماخذ کے ساتھ ساتھ ثانوی ماخذات بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ثانوی ماخذات کسی بھی موضوع کے حوالے سے پہلی شہادت کے طور پر موجود ہوتے ہیں جو اس موکے درست یا غلط ، مکمل یا نا مکمل اور معیار کے تعین میں مدد گار ثابت ہوتے ہیں اسے علاوہ موضوع کی اہمیت اور اس کے اثرات جاننے کے لیے ثانوی ماخذات بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں۔تقابل میں جہاں ہم نے بنیادی ماخذ کا تقابل کیا اور یکساں موضوعات کے حوالے سے مشترک بنیادی ماخذات کا تعین کیا ویسے ہی ہم ثانوی آخذ کا تقابل بھی کریں گے۔

جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو میں بھی جہاں بنیادی ماخذات کو حوالے کے طور پر استعمال کیا وہیں وہ ثانوی ماخذات کو بھی تاریخ میں شامل کرتے ہیں اور ان کو مد نظر رکھتے ہوئے تاریخ نویسی کے عمل سے گزرے ہیں۔ دونوں تواریخ میں ثانوی ماخذات کا تقابل کیا جائے تو بہت سے

ماخذات بھی یکساں ہیں اور دونوں تواریخ میں شامل ہیں۔ تبسم کاشمیری تاریخ نویسی میں جمیل جالبی کی تاریخ کو بھی ثانوی آماخذات میں شامل کرتے ہیں۔

دونوں تواریخ کا موضوع ایک ہی ہونے کی وجہ سے دونوں کے بنیادی آماخذ بھی یکساں ہیں۔ جیسے اردو زبان کے حوالے سے جب مورخین لکھتے ہیں تو تو دونوں مورخین نے تاریخ ادب اردو میں محمود شیرانی کی تصنیف """پنجاب میں اردو """کا حوالہ دیا ہے جو کہ دونوں تواریخ میں مشترک ہے۔اس کے علاوہ مولوی عبداللہ الحق "اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ" دونوں تواریخ میں اس تصنیف کو بطور ثانوی ماخذات شامل کیا

ہے۔ دونوں تواریخ کا موضوع اور مدت تحریر یکساں ہے اس لیے بہت سے بنیادی ماخذ بھی یکساں ہیں۔ مثلاً

ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی تصنیف "اردو کی ابتدائی نشونما میں صوفیائے کرام کا حصہ "اس حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو میں بہت سی جگھوں پر حوالہ دیتے ہیں اور اس کتاب کے اقتباسات کو متن کا حوالہ بناتے ہیں۔(8)

اس طرح جب ہم یکساں حوالوں کا تقابل کرتے ہیں تو تبسم کاشمیری نے بھی مولوی عبدالحق کی تصنیف کو بطور ثانوی حوالہ تاریخ ادب اردو کا حصہ بنایا ہے۔(9)

یوں تقابل سے اندازہ ہوتا ہے گو کہ مورخین ایک ہی کتاب کو بنیادی ماخذ کے طور پر استعمال کرتے ہیں مگر اس لیے مواد وہ اپنی مرضی سے لیتے ہیں اور اپنی اپنی بحث کے حوالے سے منتخب ماخذ سے حوالے بھی شامل کرتے ہیں مگر یہ یکساں موضوع ہونے کے باوجود اقتباسات منفرد ہوتے ہیں۔ یوں کہا جاسکتا ہے تاریخ نویسی میں جمیل جالبی اور تبسم کاشمیری کے ہاں بہت سے ثانوی ماخذات بھی مشترک ہیں۔

نگارشات کے نمونے :

تاریخ نویسی میں جہان مورخ ادب و زبان کے ارتقا کا سفر بیان کرتا ہے وہیں پر کر عہد کے اہم شعرا اور مصنفین کا ذکر بھی آتا ہے اور ان کے مقام کا تعین بھی ہوتا ہے۔ مصننفین اور شعرا کے حوالے سے جہاں ان کے احوال آثار حالات زندگی اور دوسرے معاملات اہمیت کے حامل ہیں وہاں ان کی تخلیقات ادبی تاریخ نویسی میں بنیادی

اہمیت کی حامل ہیں اس لیے جب مورخ کسی بھی شاعر کے حوالے سے بات کرتا ہے اس کی تحریروں کے نمونے بھی شامل کرتا ہے۔اس حوالے سے مورخین کے لیے ضروری ہے کہ وہ تاریخ نویسی کے لیے مصنف کی تمام نگارشات کا مطالعہ کرنے کے بعد ان میں سے منتخب نمونے تاریخ نویسی لکھتے ہوئے مثال کے طور پر پیش کرے۔اس سے مورخ بھی تخلیقات پر سماج و عہد کے اثرات سے آشنا ہو گا اور تاریخ کو بھی موثر اور متنوع بنائے گا۔ جمیل جالبی اس حوالے سے لکھتے ہیں :

"تاریخ ادب نہ صرف ادب کی بلکہ سماجی تبدیلیوں کے زیر اثر زبان و بیان کی تاریخ بھی ہوتی ہے ادب کی تاریخ میں تخلیقات کا مطالعہ بھی آجاتا ہے جنہوں نے اپنے دور میں معاشرے کو متاثر کیا اور سماجی تبدیلی کے ساتھ بے جان ہو کر تاریخ کی جھولی میں جا گریں اور ان کا بھی جو قدیم ہوتے ہوئے بھی آج اس طرح زندہ موجود ہیں."(10)

نگارشات کے نمونے بھی تاریخ ادب اردو میں اہمیت کے حامل ہیں تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اور تاریخ ادب اردو از تبسم کاشمیری دونوں میں تاریخ نویسی کے متن میں نگارشات کے نمونے شامل کیے گئے ہیں۔ مختلف شعرا اور مصنف کے اسلوب و موضوعات پر بات کرتے ہوئے مورخین نے ان کے کلام سے نمونے بھی تاریخ ادب اردو میں شامل کیے ہیں اس حوالے سے بہت سی مثالیں موجود ہیں۔دونوں تواریخ میں نگارشات کے بے شمار نمونے شامل ہیں جن کو ہم تقابل میں بطور مثال پیش کر سکتے ہیں کہ جمیل جالبی اور تبسم کاشمیری نے شعرا یا مصنفین کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ان کے کلام کو کس طرح نمونے کے طور پر تاریخ کا حصہ بنایا ہے۔اس حوالے سے دونوں تواریخ میں بے شمار مثالیں موجود ہیں جن میں سے چند کا ذکر ذیل میں کیا جائے گا۔ مثلاً خواجہ میر درد کے مزاج اور شاعری میں اس کے موضوعات کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے جمیل جالبی یوں لکھتے ہیں:

"میر درد کے مزاج استقلال ہمواری اور ٹھہراؤ تھا ان کے تعلقات اس سطح پر سب سے قائم تھے انسانی رشتوں کا احترام ان کے لیے مذھب کا درجہ رکھتا تھا۔اور دل آزاری کو وہ گناہ سمجھتے تھے خواجہ میر درد ہمیشہ انسان میں خدا کو دیکھتے تھے۔

یارب درست گو نہ ہوں عہد پر تیرے
بندے سے پر نہ ہو کوئی بندہ شکستہ دل" (11)

یوں دیکھ سکتے ہیں کہ جمیل جالبی جب درد کے صوفیانہ اور انسان دوست مزاج کی بات کرتے ہیں تو اپنی بات کے دلیل میں درد کے شعر کو بطور نمونی پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح تبسم کاشمیری میر درد کے بارے میں لکھتے ہوئے جب ان کی شاعری اوران کے مزاج کے مختلف پہلوں کا بیان کرتے ہیں جہاں وہ ہمیں درد کے صوفیانہ مزاج کے علاوہ شاعرانہ اور۔۔۔مزاج سے بھی آشنا کرتے ہیں تبسم کاشمیری لکھتے ہیں کہ :

"دیوان درد میں ہم ایک صرف صوفی سے نہیں ایک شاعر سے بھی مکالمہ کرتے ہیں اور
ایک ایسے شاعر سے کہ جو خود کہتے ہے :
ورعاشق مزاج ہے کوئی
درد تو قصہ مختصر دیکھا " (12)

دونوں تواریخ میں مورخین نے نہ صرف شعری تخلیقات سے نگارشات کے نمونے تاریخ ادب اردو میں شامل کیے ہیں بلکہ نثری تصانیف و تخلیقات سے بھی اقتباسات کو بطور نمونہ تاریخ ادب اردو کا حصہ بنایا ہے۔نثری تحاریر کے حوالے سے ہم اردو کی اہم داستان باغ و بہار کو دیکھ سکتے ہیں اس حوالے سے اہمیت کی بات یہ ہے کہ چوں کہ باغ و بہار میر امن دہلوی نے جان گل کرسٹ کے کہنے پر پروفیسر محمد حسین عطاخان کی تالیف "نوطرز مرصع" جو کہ فارسی میں تھی اسے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ میر امن نے نہ صرف اسے فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا بلکہ اس کے کرداروں میں بھی جان ڈالی دونوں تواریخ میں جب باغ و بہار کا ذکر آتا ہے تو مورخین ناصرف باغ و بہار بلکہ نوطرز مرصع کو بھی سامنے رکھتے ہوئے تاریخ نویسی کرتے ہیں اور دونوں کا تقابلی جائزہ بھی مختصر انداز میں پیش کرتے اس کے علاوہ تقابل کے دوراں بھی دونوں داستانوں "نوطرز مرصع "اور باغ و بہار" سے اقتباسات کو متن میں شامل کرتے ہیں۔

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اور تاریخ ادب اردو از تبسم کاشمیری میں کسی بھی موضوع پر بات کرتے ہوئے اس کے اہم حوالوں اور نگارشات کے نمونے تاریخ میں شامل کیے گیے ہیں۔ جمیل جالبی تاریخ ادب اردو میں جب باغ و بہار کے بارے میں لکھتے ہیں جو اس کے متن کو بھی تاریخ نویسی میں شامل کرتے ہیں وہ اس کی زبان محاورات کے استعمال اسلوب کی رنگارنگی الفاظ کا چناؤپر بحث کو مثالوں سے مدلل بناتے ہیں۔ جمیل جالبی باغ و بہار کے حوالے سے اقتباسات کے ساتھ بات کو یوں لکھتے ہیں :

" باغ و بہار " میں میر امن عربی فارسی کے بوجھل الفاظ استعمال نہیں کرتے بلکہ خالص ٹکسائی اردو لکھتے ہوئے عربی و فارسی کے وہ الفاظ جو بول چال کی زبان میں گھل مل کر ایک جان ہو گئے ہیں بے تکلفی سے استعمال کرتے ہیں یہی نثر " باغ و بہار " کی جان ہے ۔۔۔۔دوسرے درویش کی سیر کا یہ اقتباس دیکھیے یہاں عورتوں کی زبان و محاورہ کا لہجہ ذرا سا بدل کر قوت بیان کو نمایاں کر رہا ہے :

"وزیر کے مرد کے آدمی حیران ہوتے ہیں کہ یہ کون گھس آیا۔ سوداگر بچہ یعنی بیٹی وزیر کی اپنی ماں کے پاؤں پر جا گیری اور روئی اور بولی میں تمھاری ماں جائی ہوں، سنتے ہی وزیر کی بیگم گالیاں دینے لگی کہ اے تیتری تو بڑی شستا ہو نکلی، اپنا منہ تو نے کالا کیا اور خاندان رسوا کیا۔ ہم تو تیری جان کو رو پیٹ کر، صبر کر کے تجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، جا و دفع ہو۔ "

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس سب کو ملا کر پڑھیے تو محسوس ہو گا کہ ان سب میں رنگا رنگی ہے۔ "(13)

اس طرح باغ و بہار کے حوالے سے ڈاکٹر تبسم کاشمیری بھی تاریخ ادب اردو میں نگارشات کے نمونے پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں :

"باغ و بہار میں میر امن کے " نو طرز مرصع " کے ڈھیلے ڈھالے لڑکھڑاتے ہوئے اسلوب اور داستانی پیرائے میں تبدیلی کر کے متن کو ایک مختلف صورت دے دی ہے ہم یہاں ایک زندہ اور مانوس اسلوب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ نو طرز مرصع کے اسلوب کی ماندگی ،بے رونقی اور کسالت کی جگہ ایک خوش گوار اور پر لطف اسلوب ہمیں متاثر کرتا ہے :

"اے جوان ! اب میرا ماجرا سن۔ میں کنیا زیر باد کے دیس کے راجا کی ہوں اور وہ گبرو جوان، جو زندان سلیمان میں قید ہے اس کا نام بہرہ مند ہے۔ میرے پتا کے منتری کا بیٹا ہے ۔۔۔ کل کی رات اپنے میں دیکھا کہ کوئی مانس کہتا ہے کہ شتابی آٹھ اور گھوڑا، جوڑا اور کمند آور کچھ نقد خرچ کے واسطے لے کر اس غار ہر جا اور اس بچارے کو وہاں سے نکال۔۔۔ میں نے اس کے ہاتھ سے لے کر پیالہ پھر توڑا سا ناشتہ کیا۔ "(14)

مندرجہ ذیل بالا اقتباسات کو دیکھ کر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مورخین نے تاریخ نویسی میں نا صرف واقعات کا بیان کیا ہے بلکہ ان کو مدلل بنانے کے لیے نگارشات نے نمونے بھی تاریخ ادب اردو میں شامل کیے ہیں، جو نا صرف تاریخ کو مدلل بناتے ہیں بلکہ تاریخ نویسی کے اسلوب کی رنگارنگی اور دلچسپی میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔ تاریخ نویسی میں نگارشات کے نمونے اس لیے اہمیت کے حامل ہیں کیوں کہ ادبی تاریخ واقعات کے ساتھ تخلیقات کے مطالعہ کا نام بھی ہے۔

افتراقات:

ادبی تاریخ نویسی میں ماخذات بنیادی اہمیت کے حامل ہیں ماخذات کی پرکھ اور اندراج کا تعلق مورخ کی تحقیق سے ہے۔ دونوں تواریخ ایک ہی زبان وادب کی تواریخ ہیں اور تواریخ میں ایک جتنی مدت میں تخلیق ہونے والے ادب پر تاریخ لکھی گئی ہے، اس لیے تحقیقی معلومات، ماخذات، مواد میں بہت حد تک یکسانیت ہونے کے باوجود چوں کہ الگ الگ مورخین کی تواریخ ہیں اس لیے ان میں ماخذات منفرد بھی ہیں اور حوالہ جات کے اندراج کا طریقہ کار اور معلومات اور ماخذات کو شامل کرنے کا طریقہ کار میں بھی افترقات موجود ہیں جن کی بنیاد پر دونوں تواریخ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

بنیادی وثانوی آخذ:

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اور تاریخ ادب اردو تبسم کاشمیری میں جہاں بنیادی وثانوی آخذ میں بہت حد تک اشترکات پائے جاتے ہیں وہاں دونوں میں افترکات بھی موجود ہیں کیوں کہ دونوں نے منفرد ماخذات کو بھی تاریخ کا حصہ بنایا ہے۔ جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو چوں کہ مفصل تاریخ ادب اردو ہے اس لیے جمیل جالبی ہر بات پر مفصل بحث کرتے ہیں اور شعرا اور مصنفین کے بنیادی ماخذات تک رسائی حاصل کرتے ہیں اس حوالے جمیل جالبی نے تزکات، بیاضوں، قلمی نسخوں سے بھی استفادہ کیا ہے اور ان کو مفصل طور پر تاریخ ادب اردو میں شامل کیا ہے جمیل جالبی جن شعرا کا ذکر کرتے ہیں ان کے کلام سے مثالیں بھی پیش کرتے ہیں اور فارسی شعرا کے کلام کو بھی مثالوں کے طور پر شامل کرتے ہیں اس کے ساتھ ان کا اردو ترجمہ بھی پیش کرتے ہیں اس ثانوی ماخذات میں جمیل جالبی اس عہد میں کی جانے والی دیگر تواریخ اور تذکرے تاریخ میں شامل کرتے ہیں۔

ثانوی ماخذات میں بھی جمیل جالبی کے ہاں زیادہ حوالے شامل کیے گئے ہیں۔اس کے برعکس تبسم کاشمیری جزئیات سے اجتناب کرے ہیں وہ بھی بنیادی ماخذات میں شعرا کی تخلیقات کو دیکھتے ہیں اوران میں چند ایک کو بطور مثال تاریخ کا حصہ بناتے ہیں جب کہ جمیل جالبی مثالوں میں زیادہ حوالے شامل کرتے ہیں۔اس کے علاوہ تبسم کاشمیری اس عہد میں ہی لکھی جانے والی تاریخ کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اس عہد کے حوالے سے انگریزی کتب کو بھی ثانوی ماخذات میں شامل کرتے ہیں۔دونوں کتب میں ثانوی اور بنیادی ماخذات کو شامل کیا گیا ہے مگر جمیل جالبی کی تاریخ زیادہ مفصل ہے اس لیے اس میں حوالے بھی زیادہ شامل ہیں اس کے برعکس تبسم کاشمیری نے کم ماخذات کو حوالوں میں شامل کیا ہے تبسم کاشمیری کی ماخذات کو دیکھتے ہیں اور پڑھنے کے بعد معلومات کو ادبی زبان میں بیان کررہے ہیں جبکہ جمیل جالبی حوالہ جات کے ساتھ انہی معلومات کو تاریخ ادب کا حصہ بناتے ہیں۔

حوالہ جات کا اندراج:

دونوں تواریخ میں ماخذات کے تقابل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دونوں مورخین کے حوالہ جات کے اندراج کا طریقہ کار بھی منفرد ہے۔جمیل جالبی تاریخ ادب اردو کی جلد اول میں صفحے پر کی گئی بات اوراس کے ماخذ کا حوالہ اسی صفحہ پر دیتے ہیں، یہ بہتر طریقہ ہے۔اس سے حوالہ تلاشنے میں وقت بھی نہیں لگتا اور قاری بھی آسانی سے حوالے کو دیکھ سکتا ہے۔تاریخ ادب اردو کی جلد اول میں جالبی نے اس طریقہ کار پر حوالہ جات درج کیے ہیں وہ ہر صفحے پر متن کے نیچے حوالہ کا شمارہ اور حوالہ شامل کرتے ہیں۔حوالہ درج کرتے ہوئے وہ سب سے پہلے تصنیف کا نام پھر مصنف کا نام پھر صفحے کا شمارہ، پھر ناشر کا نام اور پھر شہر کا نام لکھتے ہیں۔ مثلاً

"پنجاب میں اردو: حافظ محمود شیرانی، ص27، مکتبہ معین الادب، لاہور" (15)

تاریخ ارب اردو کی جلد اول میں جمیل جالبی ہر ماخذ و اقتباس کے حوالے کو صفحے پر متن کے آخر میں درج کرتے تھے جب کہ دوسری، تیسری اور چوتھی جلد میں جمیل جالبی حوالوں کو باب کے آخر پر حواشی کی ذیل میں شمارہ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔چاروں جلدوں میں حوالہ تحریر کرنے کا طریقہ کار ایک ہی ہے۔اس کے علاوہ جمیل جالبی تاریخ ادب اردو میں کہیں کہیں اقتباسات کو اپنے لفظوں میں یا فارسی سے اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے تحریر

کرتے ہیں تو باب کے آخر پر حواشی کے بعد اصل متن کا حوالہ دے کر اصل متن بھی وہاں درج کرتے ہیں۔ مثلاً جمیل جالبی حوالہ اور اقتباس اس طرح درج کرتے ہیں :

"حواشی

1 -نکات شعراء: محمد تقی میر، ص1، نظامی پریس بدایوں 1922ع

اصل اقتباسات (فارسی)

ص 210, در شعر پارسی یم زبان درست داشت" (16)

اس کے برعکس تبسم کاشمیری باب کے اختتام پر حوالہ درج کرتے ہیں۔ تبسم کاشمیری حوالہ درج کرتے ہوئے پہلے مصنف کا نام درج کرتے ہیں پھر کتاب کا نام اور پھر پبلشر، سن اشاعت اور شمارہ صفحہ۔ مثلاً

حوالہ

"1۔ رشید حسن خان، مرتب باغ و بہار، لاہور، نقوش، 1992ص39"(17)

تبسم کاشمیری کا حوالہ درج کرنے کا طریقہ مختلف ہے وہ کسی ایک کتاب سے اگر دو دفعہ کوئی معلومات لیتے ہیں اور اسے دو دفعہ درج کرتے ہیں تو حوالہ ایک ہی مرتبہ درج کر کے اس کے سامنے شمارہ صفحہ کا اندراج کرتے ہیں۔ دونوں تواریخ میں حوالہ مختلف طریقے سے درج کیا جاتا ہے۔

نقشہ جات اور تصاویر کا اندراج :

ماخذات کے تقابل میں جو پہلو تبسم کاشمیری کی تاریخ کے حوالے سے منفرد اور نمایاں ہے وہ نقشہ جات اور تصاویر کا اندراج ہے تبسم کاشمیری نے تاریخ ادب اردو میں کسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے اس کے حوالے سے اگر ان کے پاس تصاویر یا جغرافیہ نقشہ موجود ہو تو اس نقشے کو بھی شامل کر کے تاریخ ادب اردو کا حصہ بناتے ہیں ۔ماخذات کے حوالے سے یہ پہلو جمیل جالبی کی تاریخ نویسی سے منفرد ہے اس طرح تاریخ نویسی زیادہ دلچسپ اور آسان ذریعہ معلومات بن جاتی ہے چونکہ تصاویر سے بات آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے اس لیے یہ پہلو بہت اہمیت کا حامل ہے۔ مثلاً

تبسم کاشمیری تاریخ ادب اردو میں گولکنڈہ کی بزم آخر کے حوالے سے لکھتے ہیں جو عبداللہ قطب شاہ کے بارے میں لکھتے ہوئے عبداللہ قطب شاہ کی ایک تصویر بھی یہاں شامل کرتے ہیں اس کے علاوہ نواب آصف الدولہ

کی تصویر کو بھی تاریخ ادب اردو میں شامل کیا ہے اردو ادب کے شعر کے حوالے سے دیکھا جائے تو ولی دکنی اور مرزا غالب کی تصاویر کو بھی تبسم کاشمیری نے تاریخ ادب اردو میں شامل کیا ہے تاریخ ادب اردو میں صوفی شعرا پر بات کرتے ہوئے خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی تصویر کو بھی شامل کیا ہے۔

اسی طرح باب اول میں جب زبان کی ابتداء اور نقل لسانی کے دو مراحل پر بات کرتے ہی۔ تو اس کے ساتھ ہی ہندوستان کے نقشے کی تصویر بھی شامل کرتے ہیں جس کو دیکھ کر زبان کی ابتداء میں ہونے والی نقل وحمل کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ پھر تغلق کی سلطنت اور اس کا جغرافیہ بھی اس کے ساتھ شامل کرتے ہیں ان نقوش کے اندراج سے تاریخ تاریخ کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور دلچسپ بھی معلوم ہوتا ہے۔

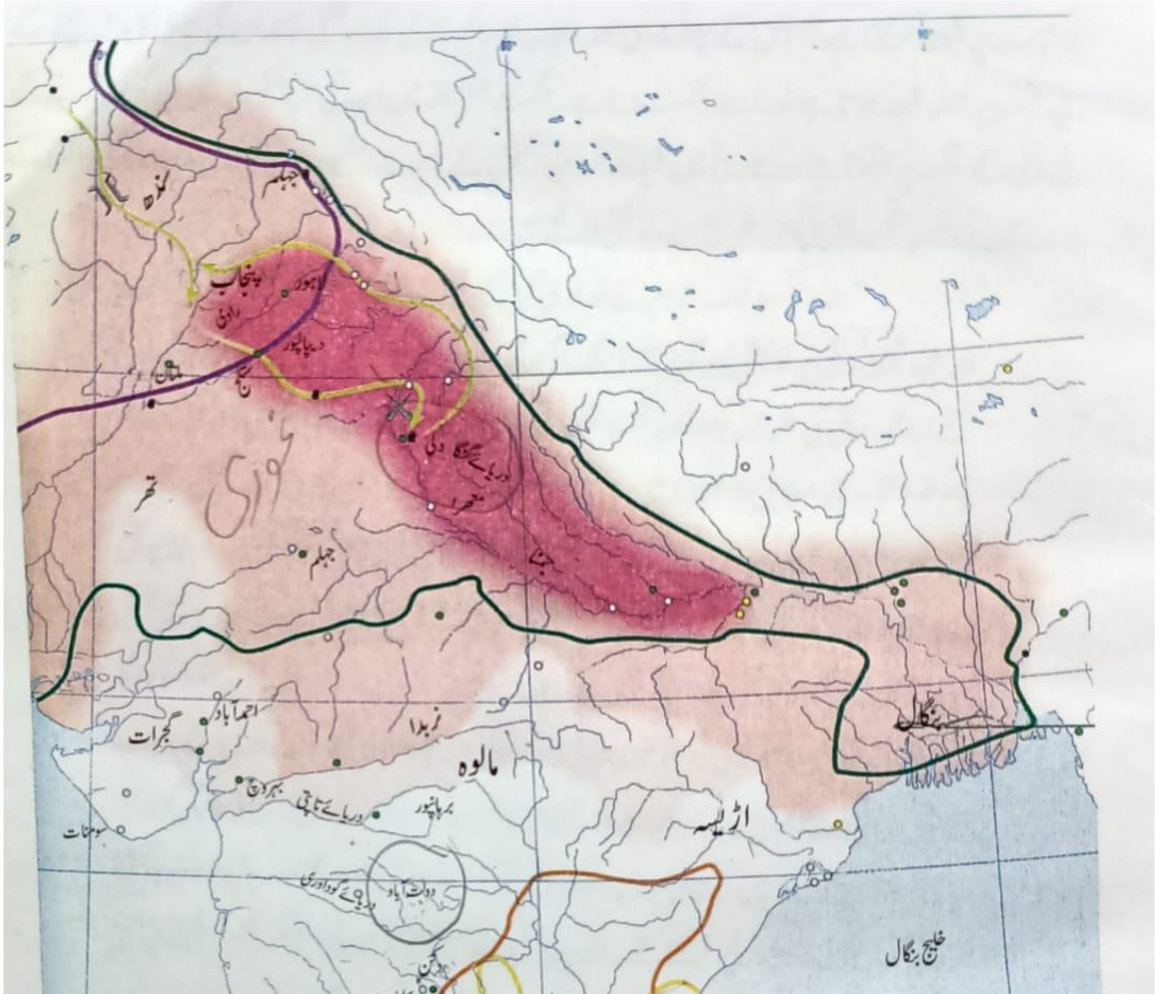

کشمیر
جہلم
چناب
راوی
لاہور
ملتان
سندھ
دلی
اودھ
گوالیار
کڑا
بہار
مالوہ
دریائے نربدا
گجرات
دریائے تاپتی
اڑیسہ
دیوگیر (دولت آباد)
دریائے گوداوری
وارنگل
گلبرگہ
تلنگانہ
دریائے کرشنا

نقشہ جات۔(18)

تبسم کاشمیری نے تاریخ ادب اردو کو نقشہ جات و تصاویر کے اندراج سے مختلف اور دلچسپ بنا دیا ہے۔ تصاویر کی مدد سے تاریخ کو سمجھنا آسان ہوتا ہے۔ تبسم کاشمیری نے تاریخ ادب اردو میں شعراء، حکمرانوں مختلف مقامات، قلمی نسخوں اور نقوش کی تصاویر کا اندراج کیا ہے یہ پہلوان کی تاریخ نویسی کو ماخذات کے حوالے سے جمیل جالبی کی تاریخ سے بھی مختلف بنا دیتا ہے۔

نتائج :

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی میں ماخذات کا تقابل تاریخ ادب اردو از تبسم کاشمیری سے کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دونوں تواریخ میں بہت سے حوالے مشترک بھی ہیں اور منفرد بھی ہیں چوں کہ جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو میں زیادہ تفصیل پائی جاتی ہے اس لیے ان کے یہاں ہمیں حوالے بھی بہت زیادہ ملتے ہیں وہ متن سے بھی زیادہ مثالیں دیتے ہیں اور پھر ان کے حوالے بھی نگارشات کے نمونے دونوں تواریخ میں ہی یکساں موجود ہیں مگر جمیل جالبی فارسی متن کو بھی تاریخ ادب اردو میں شامل کرتے ہیں اسی لیے جمیل جالبی کے ہاں بنیادی

ماخذات زیادہ شامل متن ہیں اس کے برعکس تبسم کاشمیری بھی حوالوں کو تاریخ ادب اردو میں درج کرتے ہیں مگر وہ بہت زیادہ تفصیل کے بجائے اہم معلومات کو اپنے لفظوں میں سمیٹتے ہیں اور پھر اس کے حوالے سے بھی حوالہ جات کا اندراج کرتے ہیں۔ تبسم کاشمیری کی تاریخ کی خاص بات یہ بھی ہے کہ وہ جابجا ثانوی ماخذات میں دوسری کتب کے ساتھ جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کو بھی ثانوی ماخذات میں شامل کرتے ہیں۔اس کے علاوہ دونوں تواریخ میں حوالہ جات کے اندراج کا طریقہ کار بھی مختلف ہے۔ تبسم کاشمیری کی تاریخ میں ماخذات کے حوالے سے سب سے اہم بات نقشہ جات و تصاویر کا شامل متن کرنا ہے۔یوں ہم کہ سکتے ہیں کہ تبسم کاشمیری کی تاریخ ادب اردو میں ماخذات جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو سے مماثل بھی ہیں اور ان کے ہاں منفرد انداز سے بھی معلومات کو تاریخ کا حصہ بنایا گیا ہے۔

2 -اردو ادب کی مختصر تاریخ از انور سدید

1 -جائزہ بحوالہ مآخذات

اردو ادب کی مختصر تاریخ از انور سدید تادد یخ نویسی میں مختصر تاریخ کے حوالے سے خاص اہمیت کی حامل ہے ۔انور سدید نے اپنی تاریخ نویسی میں اردو ادب کے ارتقاء کے سفر میں کردار ادا کرنے والے اہم ناموں کو اس میں شامل کیا ہے۔انور سدید نے تاریخ ادب اردو میں زیادہ مفصل بحث نہیں کی ہے بلکہ اختصار سے واقعات کو بیان کیا ہے۔اردو ادب کی مختصر تاریخ 1991ء کو منظر عام پر آئی اور 2012- 13ء تک اس کے دس ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ انور سدید نے اردو ادب کی مختصر تاریخ لکھتے ہوئے بنیادی ماخذات کو بہت کم رکھا ہے وہ تاریخ نویسی میں زیادہ تر ثانوی ماخذات کا حوالہ دیتے ہیں اور انھوں نے تاریخ نویسی کے لیے اس عہد میں لکھی جانے والی دوسری تواریخ سے استفادہ کیا ہے اور ان کے حوالے بھی دیے ہیں جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو انور سدید کی مختصر تاریخ سے پہلے منظر عام پر آچکی تھی اس لیے انور سدید نے اپنی تاریخ میں جمیل جالبی کی ادبی تاریخ نویسی کا حوالہ بھی دیا ہے۔ ادبی تاریخ نویسی میں ماخذات بہت اہمیت کے حامل ہیں ادب کا تعلق سماج سے ہے اور ادب کی تاریخ لکھتے ہوئے سماجی حوالوں کا بیان بھی تاریخ نویسی کا حصہ ہوتا ہے اس لیے تاریخ نویسی میں مورخ کو اپنی تاریخ لکھنے سے قبل سماجی حوالوں کو بھی دیکھنا ہوتا ہے اور ادب کی بنیادی و ثانوی مآخذات کو ادب پر اثر انداز ہونے والے عوامل کو پرکھنے کے لیے ان تک رسائی بہت ضروری ہے انور سدید نے تاریخ ادب اردو لکھتے ہوئے بنیادی ماخذات تک رسائی بہت کم حاصل کی ہے وہ

زیادہ تر ثانوی ماخذات کو دیکھتے ہیں اس حوالے سے وہ دوسری تواریخ ادب ،تذکرے، سیاسی و سماجی تواریخ کو زیادہ دیکھتے ہیں اور ان کو بطور حوالہ تاریخ میں شامل کرتے انور سدید نے چوں کہ مختصر تاریخ لکھی ہے اس لیے وہ زیادہ مفصل بحث نہیں کرتے ہیں اور نا ہی زیادہ جزئیات کو بیان کرتے ہیں۔انور سدید اردو ادب کی تاریخ کو اختصار سے بیان کرتے ہیں۔ تاریخ نویسی کے لیے یہ ضروری ہے کہ بنیادی ماخذات کو دیکھا جائے تاکہ واقعہ کی سند میں کمی نا رہے مگر انور سدید نے اس پہلو پر زیادہ توجہ نہیں دی ہے۔

2-تقابل

"اردو ادب کی مختصر تاریخ"از انور سدید اور "تاریخ ادب اردو"از جمیل جالبی

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اردو ادب کی مفصل اور اہم تاریخ ہے جس میں جمیل جالبی نے اردو زبان و ادب کے ارتقا کے سفر کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے تاریخ نویسی کے عمل میں۔ جمیل جالبی ادبی نویسی میں ادب اور ادب پر اثرانداز ہونے والے عوامل کو پرکھنے کے بعد جزئیات کے ساتھ تاریخ نویسی کے عمل سے گزرتے ہیں وہ ہر واقع کی جانچ پرکھ کرتے ہیں اور بنیادی وثانوی آخذ کو دیکھتے ہیں۔ جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو میں دونوں ماخذات کو مد نظر رکھا ہے اور دونوں کے حوالے بھی درج کیے ہیں۔ماخذات کے حوالے سے جب ہم انور سدید کی تاریخ"اردو ادب کی مختصر تاریخ"کا جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو سے تقابلی جائزہ کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انور سدید نے بنیادی ماخذات کے بجائے زیادہ تر ماخذات جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو میں بھی موجود ہیں اور جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کو بھی ثانوی آخذ کے طور پر شامل کیا ہے دونوں تواریخ کے ماخذات کا تقابل کرنے ان کے مشترک اور منفرد پہلو کو دیکھا جاتا ہے۔

اشتراکات:

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اور اردو ادب کی مختصر تاریخ از انور سدید کا تقابلی مطالعہ میں پہلے ہم ان پہلوں کو دیکھیں گے جن کو ہم نے دونوں تواریخ میں یکساں پایہ ہے ان کو ہم اشتراکات کی ذیل میں شامل کرینگے گے۔

1۔ ثانوی ماخذات :

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی میں تاریخ نویسی کے لیے جن ثانوی ماخذات کو مد نظر رکھا گیا ہے ان میں سے بیشتر ثانوی ماخذات ہمیں انور سدید کی تاریخ نویسی میں بھی ملتے ہیں انور سدید کی تاریخ نویسی میں ثانوی ماخذات بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں کیوں کہ انور سدید نے اردو ادب کی مختصر تاریخ میں ثانوی ماخذات کو ہی زیادہ تر مد نظر رکھا ہے۔ دونوں تواریخ میں ثانوی ماخذات میں زیادہ تر اس عہد میں لکھی جانے والی دوسری تواریخ تذکرے وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ جس موضوع پر بات کی جا رہی ہو اس موضوع پر لکھی جانے والی دیگر کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ انور سدید چوں کہ مختصر تاریخ لکھ رہے تھے اس لیے انھوں نے حوالے کے طور پر کیے جانے والے اقتباسات کو بھی زیادہ تفصیل سے نہیں لکھا بلکہ وہ بات کرتے ہوئے اس بات کی دلیل کے طور پر دوسری کتب کا حوالہ چند لفظوں میں دیتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کا حوالہ درج کرتے ہیں۔ مثلاً

جمیل جالبی تاریخ ادب اردو میں زبان کے بارے میں اور شمالی ہند میں زبان کے بارے میں لکھتے ہوئے جب فارسی اور اردو کے آپس میں تعلق اور اثرات کی بات کرتے ہیں تو مقالات حافظ محمود شیرانی کا حوالہ دیتے ہیں۔ جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ

> "نہ صرف اس زبان کے الفاظ بلکہ محاورے بھی فارسی تصانیف میں راہ پا جاتے ہیں وہ اہل قلم جو اس بر اعظم میں پیدا ہوئے لکھتے تو فارس میں تھے لیکن سوچتے اسی زبان میں تھے۔۔۔ اس بات کی وضاحت کے لیے ہم اس دور کے مختلف مصنفین و شعرا کی تصانیف سے چند محاورے نقل کرتے ہیں۔(1) جو آج بھی اردو زیان کا سرمایہ ہیں امیر خسرو کے ہاں ایسے محاورے بڑی تعداد میں ملتے ہیں۔
>
> "فارسی شکل اصل اردو محاورہ
>
> دندان در شکم بودن پیٹ میں دانت ہونا
>
> (1) مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد اول ص 91-94"(19)

مندرجہ ذیل بالا مثال سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو میں ثانوی ماخذات سے بھی معلومات کو تاریخ ادب اردو میں شامل کیا ہے۔ اسی طرح دوران تقابل ہم نے دیکھا کہ انور سدید بھی اردو ادب کی مختصر تاریخ میں ثانوی ماخذات کو تاریخ ادب اردو میں شامل کرتے ہیں اور ان کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔

انور سدید اردو ادب کی مختصر تاریخ میں جنوبی ہند میں اردو ادب کا ابتدائی فروغ کے عنوان سے باب چہارم میں جب جنوبی ہند میں اردو ادب کے بارے میں لکھتے ہیں تو وہاں پر مقالات حافظ محمود شیرانی سے بھی معلومات اخذ کرتے ہیں اور اس کا حوالہ دیتے ہیں انور سدید لکھتے ہیں کہ

> " تیمور کے دوسرے محلے میں بھی گجرات کو مقام محفوظ کا درجہ ملا ظفر خان نے گجرات میں اپنے نام کا خطبہ جاری کیا تو اس نے اہل علم پر معاشی اور معاشرتی سہولتوں کے دروازے کھول دیے دہلی جب بھی طوائف الملوکی کا شکار بنا تو لوگ امن وعافیت کی تلاش میں گجرات چلے آتے گجرات اگرچہ ہندو اکثریت کا علاقہ تھا لیکن جب مسلمان اس خطے میں آئے انہوں نے اپنے مذہب اور زبان کا تحفظ بھی کیا اور بحیثیت القوم اردو ہی کو اپنی زبان تسلیم کیا۔(1) "
>
> "(1) محمود شیرانی "مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد اول، ص 141۔"(20)

مندرجہ ذیل بالا مثالوں سے دونوں تواریخ میں یکساں ثانوی ماخذات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس کے علاوہ بھی دیگر بہت سی ایسی تواریخ و کتب ہیں جن کا حوالہ دونوں تواریخ میں موجود ہے۔ جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔ پنجاب میں اردو از حافظ محمود شیرانی، آب حیات از محمد حسین آزاد اس کے علاوہ بھی بہت سی کتب ایسی ہیں جو دونوں تواریخ میں بطور ثانوی ماخذ شامل کی گئی ہیں مگر جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو میں انور سدید کی نسبت ثانوی و بنیادی ماخذات کی تعداد بہت زیادہ ہے کیوں کہ وہ ہر بات کو مفصل دلیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں اس کے برعکس انور سدید اختصار سے کام لیتے ہیں۔

حوالہ جات کا اندراج :

تاریخ ادب اردو جلد اول از جمیل جالبی اور اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ از انور سدید میں حوالہ جات کا اندراج یکساں ہے مگر جمیل جالبی تاریخ ادب اردو کی بقیہ جلدوں میں حوالہ جات باب کے آخر پر درج کرتے ہیں۔ پہلی جلد میں جمیل جالبی ہر صفحے پر حوالہ جات درج کرتے ہیں اور انور سدید نے بھی تاریخ نویسی میں حوالہ جات کے اندراج کے لیے یہی طریقہ اپنایا ہے وہ ہر صفحے پر متن کے نیچے شمارہ اور حوالہ دونوں درج کرتے ہیں۔ حوالہ کے اندراج کا یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے کہ اس میں ہم آسانی سے بات کی دلیل تک بھی پہنچ جاتے ہیں کہ کس کا قول ہے اور

جس کتاب سے لیا گیا ہے۔ دونوں تواریخ میں ہر صفحے پر اس کا حوالہ درج ہے مگر حوالہ میں تفصیل کی ترتیب مختلف ہے۔ مثلاً جمیل جالبی تاریخ ادب اردو جلد اول میں صفحے کے آخر پر حوالہ درج کرتے ہوئے اس ترتیب کو مد نظر رکھتے ہیں۔

" 1- مقالات حافظ محمد شیرانی، جلد دوم، ص 41-44 "(21)

جمیل جالبی حوالہ درج کرتے ہوئے کتاب کا نام مصنف کا نام اور پھر شمارہ صفحہ درج کرتے ہیں۔ جلد کے آخر میں وہ مفصل اشاریہ موضوعات، کتب، مقالات، اور اشخاص کے حوالے درج کرتے ہیں۔ انور سدید نے اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ میں حوالہ ہر صفحے میں متن کے آخر میں درج کیے ہیں۔ مثلاً

"محمد حسین آزاد، دیباچہ "آب حیات" ص 1، لاہور، 1970 "(22)

انور سدید کے حوالے کا طریقہ ذرا مختلف ہے وہ پہلے مصنف کا نام پھر کتاب کا نام پھر شمارہ صفحہ اور سن اشاعت اور شہر کا نام بھی درج کرتے ہیں۔ دونوں کتب میں کچھ حد تک حوالہ جات کے اندراج میں یکسانیت اور کچھ حد تک افتراقات بھی پائے جاتے ہیں۔

نگارشات کے نمونے:

ادبی تاریخ نویس میں زبان وبیان کے ارتقاء کے سفر میں مورخ کو جہاں سیاسی وسماجی واقعات اور تاریخ کو مد نظر رکھنا ہوتا ہے وہی ہر ادبی تاریخ نویسی کا اہم پہلو ادبی تخلیقات بھی ہیں کیوں کہ تاریخ ادب میں ادبی تخلیقات کے ذکر کے بنا مکمل نہیں ہو سکتی اس لیے تاریخ ادب میں مورخین جب تاریخ نویسی کے عمل سے گزرتے ہیں تو نا صرف ادب وسماج کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں بلکہ ادبی تخلیقات کو بھی پڑھتے ہیں تاکہ مورخ جب ان کے بارے میں بات کرے تو اس کے پاس دلائل موجود ہوں۔ اس طرح تاریخ نویسی میں نگارشات یا تخلیقات کے نمونے خاص اہمیت کے حامل ہیں اس لیے جب ہم ماخذات کا تقابل کرتے ہیں تو تواریخ میں شامل نگارشات کے نمونے بھی مد نظر رکھتے جاتے ہیں کہ مورخین نے تاریخ نویسی میں نگارشات کے نمونے شامل کیے ہیں یا نہیں کیوں کہ تخلیقات کے نمونے ایک ادبی تاریخ کو موثر بناتے ہیں اور دوسرا اس کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

جمیل جالبی نے اردو ادب کی تاریخ میں مختلف مصنفین کے کلام سے نگارشات کے نمونے جابجا پیش کیے ہے۔ جمیل جالبی نثری وشعری دونوں تخلیقات پر بات کرتے ہوئے ان کے حوالے سے نگارشات کے نمونے

تاریخ ادب اردو میں شامل کرتے ہیں۔ جمیل جالبی نے اردو ادب کی تاریخ میں ہر شاعر اور مصنف پر بات کرتے ہوئے ضرورت کے مطابق نگارشات کے نمونے شامل کیے ہیں۔ مثلاً

ولی دکنی اور ان کے معاصرین کے بارے میں لکھتے ہوئے دوسرے شعرا کی طرح جب وہ سراج کے بارے میں لکھتے ہیں تو کلیات سراج سے ان کی نگارشات کے نمونے بھی اپنی بات کی دلیل میں پیش کرتے ہیں جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ

"عشق اس کی زندگی کا دائرہ ہے، محبوب اس کا مرکزی لفظ ہے اور شاعری اس کا اظہار ہے

:

اس پھول سے چہرے کو جو کوئی یاد کرے گا
ہر آن میں سو سو چمن ایجاد کرے گا

لیکن سو سو چمن ایجاد کرنے کے باوجود عشق پھر بھی ایک معمہ رہتا ہے اور وہ خد سے پوچھتا ہے:

عشق کا نام گرچہ ہے مشہور
میں تعجب میں یوں کہ کیا شے ہے

سخن کی آگ بھی اسی سے بھڑک رہی ہے رنگینی لطافت اور لہجے کا تیکھا پن بھی اس کا ثمر ہے۔"(23)

اسی طرح جب ہم انور سدید کی مختصر تاریخ میں نگارشات کے نمونے کا جائزہ ہے پس نو وہ بھی تاریخ نویسی کے دوران شعرا کی تخلیقات سے مثالیں تاریخ ادب اردو میں شامل کرتے ہیں۔ جمیل جالبی کے مقابلے میں ان کے ہاں مثالیں کم ہیں مگر اس کے باوجود بھی انور سدید کے ہاں نگارشات کے نمونے درج کیے گیے ہیں۔ مثلاً

"داغ کے بارے میں لکھتے ہوئے جب وہ ان کے کلام کے خصائص اور ان کے اسلوب پر بات کرتے ہیں تو ان کے اشعار کو بھی بطور مثال پیش کرتے ہیں۔"

انور سدید لکھتے ہیں کہ

"داغ ارضی مزاج کے شاعر ہیں ان کی غزل میں جزبے کا آہنگ غزل کی داخلی غنائیت میں ڈوبا ہوا ہے اور پھر اپنا تاثر کھو دیتی ہے۔ "

"ہم نے ان کے سامنے پہلے تو مخبر رکھ دیا

پھر کلیجہ رکھ دیا، دل رکھ دیا، سر رکھ دیا "(24)

اس طرح الطاف حسین حالی کے بارے میں لکھتے ہوئے انور سدید رقمطراز ہیں۔

"حالی کے دیوان میں اعلی قسم کے اشعار جن میں تشنگی، گھلاوٹ، اور تہذیبی تمکنت موجود ہے کئی کمی بھی نظر آتی ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تم کو ہزار شرم سہی، مجھ کو لاکھ ضبط

الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا۔ "(25)

دونوں تواریخ میں نگارشات کے نمونے بھی درج ہیں انور سدید نے بھی اردو ادب کی مختصر تاریخ میں۔ نگارشات کے نمونے درج کیے ہیں جس کے سبب شعرا کے حوالے کی گئی بات پر دلیل بھی ثابت ہوتا ہے اور اس سے تاریخ مزید دلچسپ اور پر تاثیر بن جاتی ہے۔

افتراقات:

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اور اردو ادب کی تاریخ از انور سدید کے ماخذات کے تقابل کے بعد اس بات کا اندازا ہوتا ہے کہ دونوں تواریخ میں اشتراکات کے ساتھ ساتھ افتراقات بھی موجود ہیں جو دونوں تواریخ کو ایک دوسرے سے منفرد کرتے ہیں۔

بنیادی ماخذات :

ماخذات کے تقابل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جمیل جالبی تاریخ نویسی میں بنیادی ماخذات تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور ان کی بنیاد پر تاریخ ادب اردو تحریر کرتے ہیں جب کہ انور سدید اردو ادب کی تاریخ نویسی میں بنیادی کے بجائے ثانوی ماخذات پر ہی اکتفا کرتے ہیں وہ تاریخ نویسی میں کسی بھی موضوع پر لکھتے ہوئے اس موضوع کے حوالے سے دوسری کتب تواریخ، تذکرے اور موضوعاتی کتب کا جائزہ لیتے ہیں اور ان کو ہی بطور حوالہ تاریخ میں شامل کرتے ہیں اس کے علاوہ اہم بات یہ ہے کہ انور سدید کے ثانوی ماخذات میں جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو جلد اول اور دوم کو بھی شامل کیا گیا ہے اس حوالے سے بھی تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی کو برتری حاصل ہے کہ وہ خود ایک حوالہ بنی ہیں۔ جمیل جالبی تاریخ نویسی کے دوران جزئیات کو بھی مفصل انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اس کے لیے

وہ بیاضوں،تذکروں، قلمی نسخوں، تزکات،اور دوسری تواریخ سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ دونوں تواریخ میں ماخذات کے حوالے سے بنیادی ماخذ میں افتراق پایا جاتا ہے۔

حوالہ جات کا اندراج:

حوالہ جات کے اندراج میں جہاں یکسانیت پائی جاتی ہے وہاں افتراق بھی موجود ہے چوں کہ جمیل جالبی صرف جلد اول میں حوالہ جات کو کتاب میں متن کے ساتھ ساتھ شامل کرتے ہیں۔ باقی تواریخ میں حوالہ حواشی کی ذیل میں ہر باب کے آخر میں درج کرتے ہیں۔اس کے علاوہ پہلی جلد میں وہ مفصل حوالہ نہیں دیتے جب کہ بعد کی جلدوں میں وہ مفصل حوالہ دیتے ہیں۔ مثلاً

"{20} اردو کی نثری داستانیں ، گیاں چند جین ، ص 325-328, اتر پردیش،اردو اکادمی لکھنو،1987"(26)

جب کہ انور سدید تاریخ ادب اردو میں۔ حوالہ ہر صفحے کے آخر پر تفصیل سے دیتے ہیں۔

اشاریہ وکتابیات:

جمیل جالبی تاریخ ادب اردو میں پہلی جلد میں حوالہ ہر صفحے پر دیتے ہیں اور باقی تمام جلدوں میں باب کے اختتام پر حواشی کی ذیل میں اس کے علاوہ کتاب کے آخر پر اشاریہ بھی دیتے ہیں جس میں اہم بات یہ ہے کہ مختلف جلدوں کے اشاریہ کو مختلف اشخاص نے مرتب کیا ہے۔ جمیل جالبی کتاب کے آخر میں مفصل اشاریہ دیتے ہیں مثلاً

جلد اول

"۔اشاریہ

مرتبہ ابن حسن قیصر

1 -کتب---815

2 -اشخاص---836

3 -مقامات---797

4 -موضوعات---775 " (27)

اشاریہ جلد دوم

"اشاریہ

1 -افراد و اشخاص

2 -کتب ورسائل، مخطوطات، مطبوعات

مرتبہ

سید معراج جامی

شاہین فصیح ربانی" (28)

جمیل جالبی تاریخ ادب اردو کے اخر میں مفصل اشاریہ بحوالہ موضوعات و شخصیات و مقامات اور کتب درج کرتے ہیں۔ اس کے بر عکس انور سدید اردو ادب کی تاریخ میں اشاریہ درج نہیں کرتے ہیں بلکہ کتاب کے آخر پر کتابیات درج کرتے ہیں، جس میں الف بائی ترتیب سے مصنف کا نام لکھتے ہوئے اس کی تمام کتب اور ان کی تفصیل شامل کرتے ہیں لیکن اشاریہ تاریخ ادب اردو میں شامل نہیں کرتے ہیں۔

نتائج:

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی سے جب ہم اردو ادب کی مختصر تاریخ از انور سدید کا تقابل کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو مفصل تاریخ ہے اس لیے جمیل جالبی نے بنیادی ماخذات سے استفادہ کیا ہے جب کہ انور سدید نے زیادہ تر ثانوی ماخذات سے معلومات کو اخذ کیا ہے جمیل جالبی تاریخ میں مفصل بحث کرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی جزئیات کو بیان کرتے ہیں جب کہ انور سدید اختصار سے کام لیتے ہوئے تاریخ کو بیانیہ انداز میں خلاصے کے طور پر لکھتے ہیں اور اس حوالے سے ثانوی ماخذات کو دیکھتے ہیں۔ دونوں تواریخ میں نگارشات کے نمونے بھی شامل کیے گئے ہیں مگر جمیل جالبی اس کو بھی مفصل بیان کرتے ہیں اس کے علاوہ جمیل جالبی کتاب کے آخر پر مفصل اشاریہ دیتے ہیں جب کہ انور سدید کتاب کے آخر پر اشاریہ درج نہیں کرتے ہیں، بلکہ کتابیات پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔انور سدید نے جمیل جالبی کی تاریخ کو بھی ثانوی مآخذ کے طور پر جا بجا حوالہ جات میں شامل کیا ہے۔ یہ بات جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کی اہمیت کو اور بڑھاتی ہے دونوں تواریخ میں حوالہ جات کے اندراج کا طریقہ کار کسی حد تک یکساں بھی ہے اور کسی حد تک اس میں افتراق بھی پایا جاتا ہے یعنی ایک ہی وقت میں کچھ پہلوں میں یکسانیت بھی اور افتراق بھی موجود دونوں موجود ہیں۔

3 -اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ از سلیم اختر

1 -جائزہ بحوالہ مآخذات:

اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کے مورخ ڈاکٹر سلیم اختر ہیں سلیم اختر نے اس میں (آغاز سے 2010ء) تک کی اردو ادب کی تاریخ کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ گیان چند جین کے مطابق اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کا مسودہ 1970ء میں تقریباً مکمل تھا۔ اب تک اس کے بتیس 32 ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کا بتیسواں ایڈیشن 2018ء کو منظر عام پر آیا اس کے تمام ایڈیشن نئے اضافے و ترامیم کے ساتھ چھپتے رہے ہیں۔ جن میں مزید نئے جہت کی ادبی معلومات کو شامل کیا گیا ہے۔ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ میں ماخذات کا جائزہ کیا جائے تو سلیم اختر نے تاریخ اردو ادب کی مختصر تاریخ میں بنیادی و ثانوی آخذات کا تذکرہ بنیادی ماخذات کی نسبت زیادہ ملتا ہے۔ سلیم اختر نے ماخذات کو ابواب کے آخر میں حواشی کی ذیل میں درج کیا ہے۔ سلیم اختر بیانیہ انداز میں تاریخ لکھی ہے اس لیے وہ زیادہ تر بات چیت کے انداز میں واقعات کو بیان کرتے ہیں اس لیے ان کے ہاں واقعات کے ساتھ حوالہ کم ملتے ہیں۔ سلیم اختر کی تاریخ نویسی کے بارے میں گیان چند جین کا کہنا ہے:

> "یہ تاریخ محققانہ نوعیت کی نہیں نصابی ہے انداز گفتار میں ہر جگہ علمی سنجیدگی نہیں
> صحافیانہ پن اور بولی ٹھولی کا انداز اختیار کرنے کا لپکا ہے۔ "(29)

سلیم اختر نے تاریخ نویسی میں ثانوی ماخذات سے زیادہ استفادہ کیا ہے واقعات کے بیان میں وہ کہیں کہیں نگارشات کے نمونے یعنی تخلیقات کے نمونے بھی درج کرتے ہیں۔ کتاب کے آخر پر انھوں نے کتابیات بھی درج کی ہے۔

2 -تقابل:

"اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" از سلیم اختر "تاریخ ادب اردو" از جمیل جالبی

تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی کے ماخذات کا تقابل سلیم اختر کی تاریخ اردو ادب کی مختصر ترین سے کیا جائے تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ماخذات کے حوالے سے سلیم اختر نے بنیادی اور ثانوی دونوں ماخذات سے استفادہ کیا ہے۔ جمیل جالبی کی تاریخ مفصل ہے اس لیے ان کے ہاں زیادہ مفصل بحث اور زیادہ مثالیں موجود ہیں جبکہ سلیم اختر نے اختصار سے کام لیا ہے اور بیان انداز میں تاریخ کو بیان کیا ہے اس لیے ان کے ہاں حوالے کم ہیں۔ اس کے علاوہ سلیم اختر متن کے درمیان میں حوالوں سے بات کرتے ہیں جیسے انھوں نے کوئی معلومات کسی کتاب سے لی ہے تو

وہیں پر وہ کتاب کا ذکر کرنے کے بعد شمارہ صفحہ درج کریں گے اور پھر اس کے بعد وہ معلومات درج کریں گے۔ سلیم اختر تاریخ ادب اردو میں زیادہ تر معلومات کو اسی طرح بیان کرتے ہیں چند اقتباسات کو باقاعدہ حوالوں کے ساتھ لکھتے ہیں۔

اشتراکات:

سلیم اختر اور جمیل جالبی کی تواریخ میں کچھ اشتراکات بھی پائے جاتے ہیں۔

ثانوی ماخذات:

تاریخ ادب اردو از سلیم اختر بیانیہ انداز اور بول چال کے انداز میں لکھی گئی تاریخ ہے جس میں واقعات کی درستی کے لیے سلیم اختر نے ماخذات کو بھی دیکھا ہے۔ انھی ماخذات میں ثانوی ماخذات دونوں کتابوں میں کسی حد تک یکساں ہیں، مثلاً دونوں تواریخ میں آب حیات، مقالات حافظ محمود شیرانی، پنجاب میں اردو اور اردو ادب کے حوالے سے لکھی گئی دیگر تواریخ کے حوالے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کسی شاعر کے بارے میں لکھتے ہوئے ان پر لکھی گی دیگر کتب سے بھی معلومات و حوالے درج کرتے ہیں۔

نگارشات کے نمونے :

سلیم اختر اور جمیل جالبی کی تاریخ میں ایک اور مشترک پہلو نگارشات کے نمونے ہیں جمیل جالبی نے اردو ادب کی تاریخ میں جا بجا نگارشات کے نمونے شامل کر کے اپنی تحریر کو دلچسپ اور مدلل بنایا ہے۔ سلیم اختر بھی ادبی تاریخ نویسی میں نگارشات کے نمونے شامل کرتے ہیں۔ اس حوالے سے مختلف شعرا کے اشعار اور نثری عبارتوں کو بھی ادبی تاریخ نویسی کا حصہ بنانے میں نگارشات کے نمونے ادبی تاریخ نویسی کے حوالے سے خاص اہمیت کے حامل ہیں جو کہ ادبی تاریخ کو مدلل اور پر تاثیر بناتے ہیں۔ سلیم اختر نے گو کہ ادبی تاریخ میں ایک منفرد رنگ اور پیرایہ تحریر اپنایا ہے کہ وہ تاریخ کو تاریخ کی طرح نہیں کہانی کی طرح بیان کرتے ہیں بلکہ ایسی کہانی کی طرح جس میں جا بجا اتار چڑھاؤ آتا رہتا اسی طرح تاریخ کا ربط و تسلسل ٹوٹتا رہتا ہے۔ سلیم اختر بھی کہیں جمیل جالبی کی طرح نگارشات کے نمونے درج کرتے ہیں۔ سلیم اختر جب مرزا دبیر کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں تو ان کی مرثیہ نگاری اور شعری محاسن پر بات کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں :

"دبیر کے دست مطالعہ کے لیے انیس کا حوالہ ختم کر کے انفرادی حیثیت میں دبیر کے شعری محاسن کا جائزہ لیناہی درست طریقہ ہے کیا ایسے اشعار کا خالق کم مایہ شاعر ہو سکتا ہے

"کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے
ہر قیصر سلاطین زمن کانپ رہا ہے۔"(30)

جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو میں نگار شات کے نمونوں کی مثال ہم پہلے دو مورخین کی بحث میں دے چکے ہیں۔ سلیم اختر نے بھی تاریخ نویسی میں نگار شات کے نمونے شامل کیے ہیں۔

افتراقات :

سلیم اختر نے تاریخ کو ادبی تواریخ سے یکسر مختلف انداز میں لکھا ہے گو کہ یہ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ ہے مگر اس میں انھوں نے اسلوب تحریر، ماخذات کے اندراج ہر طرح سے ایک نئی طرز اپنائی ہے اس لیے جمیل جالبی کی تاریخ نویسی کے تقابل میں اس میں افتراقات بھی پائے جاتے ہیں۔

بنیادی ماخذات:

جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو میں بنیادی ماخذات کو شامل کیا ہے بلکہ وہ تقریباً تمام شعرا کے حوالے سے اور مختلف مصنفین کے بنیادی ماخذات سے استفادہ کرتے ہیں اور ان سے اقتباسات واشعار کو متن میں شامل کیا ہے اور ان کے حوالہ جات بھی درج کیے ہیں۔ اس کے برعکس سلیم اختر بنیادی ماخذات کے بجائے ثانوی ماخذات سے استفادہ کرتے ہیں ۔ بعض اوقات بنیادی ماخذ کو بھی دیکھتے ہیں مگر اس کا حوالہ بھی مناسب طریقے سے درج نہیں کرتے ہیں۔ جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کے مقابلے میں ان کے ہاں بنیادی ماخذات بھی بہت کم پائے جاتے ہیں۔

حوالہ جات کا اندراج :

تواریخ میں جہاں ماخذات بہت اہمیت کے حامل ہیں وہاں ان کے حوالہ جات کا اندراج بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جمیل جالبی نے اردو ادب کی تاریخ میں ماخذات کے حوالے بطور احسن درج کیے ہیں پہلی جلد میں وہ ہر صفحے پر

متن کے آخر میں حوالہ درج کرتے ہیں جب کہ باقی جلدوں میں وہ ہر بات کے اختتام پر ماخذات کے حوالے درج کرتے ہیں۔اس کے برعکس سلیم اختر نے ہر باب کے اختتام پر حوالے درج کیے ہیں اور بعض ابواب میں وہ باب کے آخر پر کوئی حوالہ درج نہیں کرتے۔ مثلاً

"باب شمارہ2،اردو نثر کا ظہور، مشرقین اور یورپین شعرائے اردو"(31)

اس باب کے اختتام پر کوئی حواشی یا حوالہ شامل نہیں کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ بھی وہ منفرد انداز میں حوالہ درج کرتے ہیں وہ حوالے میں بعض اوقات کتاب اور مصنف کے نام کے ساتھ حوالے کا متن بھی درج کرتے ہیں ۔اس کے علاوہ بھی وہ حوالہ جات کے طریقے کو مد نظر رکھتے ہوئے حوالہ درج نہیں کرتے ہیں۔ مثلاً باب 10 کے حواشی میں وہ کچھ اس طرح حوالہ جات کا اندراج کرتے ہیں :

"1 -فرمان فتح پوری اور خلیل الرحمٰن داؤدی نے اسے مطبع سید الاخبار لکھا ہے۔"

"دیوان اردو چھپ چکا ہے لکھنو کے چھاپے خانے نے جس کا دیوان چھاپا اس کو آسمان پر چڑھا دیا حسن خط سے الفاظ کو چمکا دیا۔دلی پر اور اس کے پانی پر اور اس کے چھاپے پر لعنت صاحب دیوان کو اس طرح یاد کرنا جیسے کوئی کتے کو آواز دے۔(اردو معلیٰ ص114)"

2 " -اس کی قیمت صرف 6آنے تھی۔"

مندرجہ بالا مثالوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سلیم اختر تاریخ نویسی میں ماخذات کو کس طرح شامل کرتے ہیں۔اسی طرح سلیم اختر متن میں بے جا حوالہ جات کو شامل کرتے جاتے ہیں۔ کوئی بھی بات کرتے ہوئے ایک ہی سطر میں دو تین حوالوں سے اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ بات میں ربط باقی نہیں رہتا ہے۔ حوالوں کے اس اندراج سے عبارت کی خوبصورتی اور ربط جاتا رہتا ہے۔ سلیم اختر عبارت میں بھی مسلسل حوالوں کو شامل کرتے جاتے ہیں۔ مثلاً

''شفقت رضوی" تذکرہ یورپین شعرائے اردو" میں لکھتا ہے کہ گل کرسٹ نے 1820 میں "رسالہ اردو" نکالا تھا جس کے کچھ پرچے اب تک امپرل ریکارڈ کلکتہ میں محفوظ ہیں'' (ص:17) یہ درست نہیں ہے جسے وہ رسالہ سمجھتے ہیں وہ قواعد زبان اردو مشہور بہ رسالہ گلکرسٹ ہے انگریزی نام یہ ہے،

: ''ایضاً(ص .GILCHIRST'S OORDO RISALLIH''

(32)'(499

سلیم اختر مختلف طریقے سے حوالوں کا اندراج کرتے ہیں جو کہ باقی تمام تواریخ ادب اردو میں نہیں اپنایا گیا ہے۔ جو طریقہ انہوں نے اپنایا ہے اس طریقہ تحریر سے ایک تو بات کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ کیا کہنا چاہ رہے ہیں کیوں کہ جملے کا ربط جاتا رہتا ہے اور حواشی میں بھی وہ مکمل طریقے سے سن اشاعت کے ساتھ حوالہ درج نہیں کرتے ہیں پر حوالہ کو وہ الگ اور نئے طریقے سے درج کرتے ہیں جو کہ تاریخ نویسی میں ایک بڑا خلا بناتا ہے۔

کتابیات و اشاریہ :

ادبی تاریخ نویسی میں جہاں مورخ بہت سے ماخذات سے مستفید ہوتا ہے وہیں ان استفادہ کردہ ماخذات کا اندراج کتابیات و اشاریہ کی ذیل میں کرنا خاص اہمیت کا حامل ہے۔ جمیل جالبی اردو ادب کی تاریخ میں ہر جلد کے آخر پر مفصل اشاریہ تحریر کرتے ہیں۔ سلیم اختر نے اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ میں اشاریہ درج نہیں کیا ہے بلکہ وہ صرف کتابیات کے اندراج پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ بھی جمیل جالبی کی تاریخ نویسی کے مقابلے میں ایک اہم فرق ہے جو سلیم اختر کی تاریخ میں موجود ہے۔

نتائج:

ونوں تواریخ میں ماخذات کے تقابل سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جمیل جالبی کے مقابلے میں سلیم اختر نے ماخذات تک کم رسائی حاصل کی ہے اور اگر ماخذات کو دیکھا ہے تو ان کے حوالہ جات کو مناسب انداز میں تاریخ ادب اردو میں شامل نہیں کیا سلیم اختر جس طرح سطر کے درمیان میں دو سے تین کتب سے حوالے شامل کرتے ہیں اس طرح تاریخ کے اپنے متن میں کوئی ربط باقی نہیں رہتا ہے اور نا ہی حوالہ مکمل ہوتا ہے یہ بھی ایک بڑا خلا ہے جو تاریخ کے تاثر کو کم کرتا ہے اس کے علاوہ سلیم اختر نے کتاب کے آخر پر کتابیات ہی درج کی ہیں۔ اشاریہ درج نہیں کیا جو کہ تاریخ کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ معلومات کے حوالے سے سلیم اختر کی تاریخ بھی اہمیت کی حامل ہے۔

حوالہ جات

1۔ فخر الحق نوری،ڈاکٹر،اردو ادب کی تاریخ -ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا تازہ کارنامضمون)، مشمولہ:ادبی تاریخ نویسی،ڈاکٹر عامر سہیل/نسیم عباس احمر، مرتبین، پاکستان رائٹر کوآپریٹو سوسائٹی، طبع دوم، 2015ء، ص478، 477۔

2۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اردو (جلد اول)، مجلس ترقیِ ادب، لاہور، طباعت ششم، 2008ء، ص 32، 65۔

3۔ تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،اردو ادب کی تاریخ(آغاز سے 1857ء تک)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2003ء، ص30، 31، 876۔

4۔ جمیل جالبی،تاریخِ ادبِ اردو(جلد اول)، ص202۔

5۔ تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،اردو ادب کی تاریخ(آغاز سے 1857ء تک)، ص108۔

6۔ جمیل جالبی،تاریخِ ادبِ اردو(جلد اول)، ص323۔

7۔ تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،اردو ادب کی تاریخ(آغاز سے 1857ء تک)، ص135۔

8۔ جمیل جالبی،تاریخِ ادبِ اردو(جلد اول)، ، ص604 ۔

9۔ تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،اردو ادب کی تاریخ(آغاز سے 1857ء تک)، ص90 ۔

10۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اردو(جلد دوم)، مجلس ترقی ادب لاہور، طباعت ششم 2009ء، ص13۔

11۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اردو،(جلد دوم)، ص769۔

12۔ تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،اردو ادب کی تاریخ(آغاز سے 1857ء تک)، ص347۔

13۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اردو(جلد سوم)، مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور، طباعت دوم، 2008ء ص439-440۔

14۔ تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،اردو ادب کی تاریخ(آغاز سے 1857ء تک)، ص510-511۔

15۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اردو(جلد اول)، ص8۔

16۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اردو(جلد دوم)، ص0 24، 239۔

17۔ تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،اردو ادب کی تاریخ(آغاز سے 1857ء تک)، ص531۔

18۔ ایضاً، ص22, 25,26۔

19۔ تاریخ ادب اردو، جمیل جالبی (جلد اول)، ص25۔
20۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، بخاری پرنٹنگ پریس، لاہور، ایڈیشن دہم، 2013ء، ص95-96۔
21۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد اول)، ص62۔
22۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، ص37۔
23۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ارب اردو (جلد دوم)، ص573۔
24۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، ص367۔
25۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، ص282۔
26۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد سوم)، ص930۔
27۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد اول)، ص 713۔
28۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد اول)، ص103۔
29۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، اردو کی ادبی تاریخیں، انجمن ترقی اردو پاکستان، 2000 ء، ص893۔
30۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، بتیسواں ایڈیشن، 2018ء، ص 369۔
31۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص252۔
32۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ ، ص298۔

باب پنجم

مجموعی جائزہ، تحقیقی نتائج اور سفارشات

الف۔ مجموعی جائزہ

ادب کسی معاشرے کے افراد کے جذبات احساسات و افکار کا شائستہ بیان ہوتا ہے۔بلکہ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ادب زندگی کا عکاس ہوتا ہےاور ایسا فن جو زندگی کی عکاسی انسانی جذبات و افکار کی بنیاد پر کرتا ہے۔تاریخ گزرے ہوئے واقعات کا بیان کہلاتی ہے اور تاریخ میں وقت کے ساتھ ساتھ ہونے والی معاشی،سیاسی، معاشرتی، اقتصادی، تہذیبی و ثقافتی اور فکری تبدیلیوں کے ارتقا کے سفر کو دیکھا جاتا ہے۔جب ہم ادب کا مطالعہ تاریخی تناظر میں کریں گے تو اسے ہم ادبی تاریخ کہیں گے ادب تاریخ نویسی سے مراد ادب کی ایک ایسی تاریخ میں قوم ملک یا زبان کے ادب کی تاریخ ہو۔

ادبی تاریخ نویسی میں بنیادی بات ادبی تاریخ نویسی کے اصول ہیں کہ کن اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ادبی تاریخ نویسی کی جائے، ادبی تاریخ نویسی کے باقاعدہ اور مربوط اصول موجود نہیں ہیں۔مگر ادبی تاریخ نویسی کے دیباچے میں مورخین نے جن اصولوں کی نشان دہی کی ہے یا جن اصولوں کو برتا ہے، وہ ہی بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس حوالے سے ہم جمیل جالبی کی ادبی اصولوں کو دیکھا ہے۔جمیل جالبی کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مقالہ میں ہم نے اصول، تکنیک، ماخذات کے حوالے سے منتخب تواریخ کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔اسلوب دراصل انداز تحریر کا نام ہے۔ تاریخ کا اپنا ایک خاص اسلوب ہے۔تسلسل ، سادگی، سلاست و روانی اور وضاحت ادبی تاریخ نویسی کے نمایاں پہلو ہیں۔ماخذات تاریخ نویسی کی بنیادی کڑی ہیں۔جن پر تاریخ نویسی کی عمارت استوار ہوتی ہیں۔ماخذات میں بنیادی و ثانوی ماخذات نگارشات کے نمونے حوالوں کا اندارج اہمیت کے حامل ہیں۔

تکنیک میں ہم ادبی تاریخ نویسی لکھنے کے طریقے کو مد نظر رکھتے ہیں کہ کس طرز پر تاریخ کو لکھا گیا ہے۔ تاریخ نویسی کی تکنیک میں ترتیب ، سماجی عکاسی ، اور اسلوب شامل ہیں ادبی تاریخ

نویسی کی ترتیب میں زمانی ترتیب کو سب سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ مجوزہ مقالے میں تقابل کے لیے ہم نے جن تواریخ کا انتخاب کیا ہے ان میں "تاریخ ادب اردو" از جمیل جالبی جس کے ساتھ "اردو ادب کی تاریخ (ابتدا سے 1857ء تک)" از تبسم کاشمیری ، "اردو ادب کی مختصر تاریخ" از انور سدید اور "اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" از سلیم اختر شامل ہیں۔

مذکو بالا تواریخ کا تقابل بحوالہ اسلوب ، ماخذات اور تکنیک جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو سے کیا گیا ہے۔تقابل میں ہم نے آغاز سے 1900ء تک کا حصہ شامل کیا ہے۔ جمیل جالبی نے اردو ادب کی تاریخ کو مربوط اور مفصل انداز میں تحریر کیا ہے۔ جمیل جالبی کی ادبی تاریخ چہار جلدوں پر مشتمل ہے۔ جمیل جالبی ادبی تاریخ میں اردو زبان و ادب کے ارتقا کا سفر مفصل اور مدلل انداز میں بیان کرتے ہیں جمیل جالبی نے ادبی تاریخ میں زمانی ترتیب کو مدنظر رکھا ہے۔ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جمیل جالبی نے تکنیک میں زمانی ترتیب کو مد نظر رکھا ہے۔ وہ مختلف ادوار کا بیان بھی زمانی ترتیب سے ہی کرتے ہیں۔جمیل جالبی ادبی تاریخ نویسی کی تکنیک میں سماجی واقعات و تاریخی شعور کے باہم ملاپ سے تاریخ لکھتے ہیں۔ ادبی تاریخ نویسی کے دوسرے اصول ماخذات کو دیکھا جائے تو جمیل جالبی نے ادبی تاریخ میں بنیادی و ثانوی مآخذات تک رسائی حاصل کی ہے اور احسن طریقہ سے اس کے حوالہ جات و حواشی اندراج تاریخ میں کیا ہے۔ جمیل جالبی تاریخ نویسی لکھتے ہوئے تاریخ کے مزاج کے مطابق اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ اسلوب میں تسلسل و روانی جمیل جالبی کی تاریخ کا خاصہ ہے۔ جمیل جالبی ادبی تاریخ نویسی کے اسلوب میں مناسب الفاظ کا چناؤ کرتے ہوئے تسلسل وضاحت کے ساتھ واقعات کا بیان کرتے ہیں۔ جمیل جالبی نے ادبی تاریخ نویسی میں شگفتہ اور معیادی اسلوب اختیار کیا ہے۔

تقابل کا لفظ مقابلے سے نکلا ہے۔ تقابل سے ہم دو یا دو سے زیادہ ہم پلہ و ہم سر اشیا کا موازنہ کرتے ہیں اور ان میں اشتراکات و افتراقات کا جائزہ لیتے ہیں۔ تقابل کے بعد ہم معیار کا تعین کرتے ہیں کہ ان میں کون سی تحریر زیادہ بہتر ہے اور کیوں ہے۔مقالہ میں منتخب تواریخ میں اسلوب تکنیک اور ماخذات کے حوالے سے تقابل کیا گیا ہے۔ تکنیک کے حوالے ہم سب سے پہلے تبسم کاشمیری کی تاریخ کا جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو سے تقابل کرتے ہیں تو دونوں میں اشتراکات و افتراکات سمانے آتے ہیں۔ تکنیک کے حوالے سے جمیل جالبی تبسم کاشمیری دونوں کی تواریخ میں

ترتیب یکساں ہے۔ دونوں تواریخ میں ابواب اور موضوعات بھی یکساں ہیں۔دونوں تواریخ میں سماجی عوامل کی عکاسی بھی کی گئی ہے یعنی تکنیک کے اعتبار سے تبسم کاشمیری کی تاریخ ادب اردو جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو سے بہت حد تک مماثل ہے۔تکنیک کے حوالے سے تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی اور تاریخ ادب اردو از تبسم کاشمیری میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ تبسم کاشمیری کی تاریخ میں نقشہ جات کا اندراج ہے۔وہ جغرافیہ نقوش بھی تاریخ میں شامل کرتے ہیں۔دونوں تواریخ یکساں تکنیک پر لکھی گئی ہیں اور تبسم کاشمیری نے نقشہ جات کا اندراج کر کے تاریخ نویسی کی تکنیک میں ایک نیا پہلو سامنے لایا ہے۔ تکنیک کے حوالے سے انور سدید کی ترتیب بھی زمانی ہے جو جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کے مماثل ہے اس کے علاوہ وہ سماجی عوامل کو بھی تاریخ میں شامل کرتے ہیں مگر انور سدید نے تاریخ نویسی میں منفرد موضوعات سے تاریخ لکھی ہے۔یوں ہم کہ سکتے ہیں کہ انور سدید کی تاریخ نویسی اور جمیل جالبی کی تاریخ نویسی کی تکنیک میں ترتیب اور سماجی عوامل کی عکاسی یکساں ہے۔ انور سدید نے جس اختصار سے کام لیا ہے اس کے علاوہ وہ دونوں تواریخ میں موضوعات منفرد ہیں۔انور سدید کی تاریخ زمانی اعتبار سے جمیل جالبی کی تاریخ کے قریب ہے مگر معلومات میں تشنگی رہ جاتی ہے۔

سلیم اختر کی تاریخ کا تقابل تکنیک کے حوالے سے جمیل جالبی سے کیا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان دونوں تواریخ میں سماجی عوامل کی عکاسی یکساں پہلو ہے ۔اس کے علاوہ سلیم اختر منفرد طریقہ سے تاریخ لکھتے ہیں۔وہ زمانی ترتیب کو مد نظر نہیں رکھتے ہیں اور موضوعات بھی ان کی تاریخ میں باقی تواریخ سے مختلف ہیں۔ تکنیک کے حوالے سے دیکھا جائے تو بھی سلیم اختر کی تاریخ جمیل جالبی کی تاریخ بالکل مختلف ہے۔سلیم اختر معلومات کو معروضی طریقہ کار سے تاریخ میں شامل کرتے ہیں۔ منتخب تواریخ کا تقابل ہم اسلوب کے حوالے سے کرتے ہیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تبسم کاشمیری نے ادبی تاریخ میں جو اسلوب اپنایا ہے اس میں تسلسل و روانی ،وضاحت ،پیرائیہ تحریر اور سادہ زبان بھی ہے جمیل جالبی اور تبسم کاشمیری کے اسلوب میں فرق صرف اختصار و جامعیت کا ہے۔ تبسم کاشمیری کا اسلوب بھی جمیل جالبی کی تاریخ سے ملتا جلتا ہے مگر تبسم کاشمیری جمیل جالبی نے تاریخ ادب کو جتنی وضاحت سے پیش کیا ہے۔ اس حساب سے وضاحت

تو نہیں دیتے مگر اختصار کے ساتھ واقعات کو ایسے بیان کرتے ہیں کہ کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی ہے۔

اردو ادب کی مختصر تاریخ از انور سدید کے اسلوب کو جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کے تقابل میں دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انور سدید کی تاریخ میں سادہ زبان تسلسل و روانی اور شگفتہ انداز تحریر ہے مگر بعض جگہوں پر وہ غیر معیاری اسلوب بھی اختیار کر تے ہیں اور ایسے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں جو ادبی تاریخ کے اسلوب کے معیار پر پورا نہیں اترتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے اسلوب میں اختصار اور جامعیت ہے وہ مختصر انداز میں زیادہ سے زیادہ معلومات کو سمیٹتے ہیں۔ سلیم اختر کی مختصر ترین تاریخ کا تقابل جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو سے کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی کی سلیم اختر نے اختصار سے کام لیا ہے اور شگفتہ انداز تحریر اپنا ہے مگر سلیم اختر ادبی تاریخ نویسی کے مطابق اسلوب اختیار نہیں کرتے بلکہ وہ صحافیانہ یا ادبی(افسانوں) انداز میں ادبی تاریخ نویسی کرتے ہیں جو کہ ادبی تاریخ کے لیے بالکل بھی موافق نہیں۔ ہم یوں کہ سکتے ہیں کہ سلیم کا اسلوب ادبی تاریخ نویسی کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔منتخب تواریخ میں جب ہم ماخذات کا تقابل کرتے ہیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کے تقابل میں تبسم کاشمیری کے ہاں بہت سے بنیادی و ثانوی ماخذات یکساں ہیں۔ اس کے علاوہ دونوں تواریخ میں نگارشات کے نمونے بھی دیے گئے ہیں ، حوالہ جات کا اندارج بھی کیا گیا ہے۔ جمیل جالبی ہر جلد کے اختتام پر اشاریہ بھی درج کرتے ہیں جب کہ تبسم کاشمیری اردو و انگریزی کتب کی الگ الگ کتابیات درج کرتے ہیں دونوں تواریخ میں ماخذات اور ان کے اندارج کے حوالے سے بہت سے پہلو یکساں ہیں اس کے علاوہ نقشہ جات و حوالہ جات کا اندارج تبسم کاشمیری کی تاریخ میں منفرد مگر نمایاں پہلو ہے۔

انور سدید کی مختصر تاریخ کے ماخذات کا تقابل جمیل جالبی کے ماخذات سے کیا جائے تو یہ پہلو واضح ہوتا ہے کہ انور سدید تاریخ نویسی میں ثانوی ماخذات کو زیادہ دیکھتے ہیں اور انہی سے معلومات اخذ کرتے ہیں دونوں تواریخ میں ثانوی ماخذات یکساں ہیں۔اس کے علاوٗہ انور سدید بھی صفحے کے آخر پر حوالوں کو درج کرتے ہیں اس لیے یہ پہلو بھی دونوں تواریخ میں مماثل ہے جمیل جالبی اور انوار سدید کی تواریخ میں ایک یہ پہلو بھی منفرد ہے کہ جمیل جالبی ہر جلد کے آخر پر

اشاریہ درج کرتے ہیں جب کہ انور سدید کتابیات پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ دنوں تواریخ میں نگارشات کے نمونے بھی درج ہیں۔

سلیم اختر کے ماخذات کا تقابل کیا جائے تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انھوں نے بنیادی کے بجائے ثانوی ماخذات کو زیادہ شامل کیا ہے۔ نگارشات کے نمونے بھی شامل کیے گئے ہیں ۔افتراقات میں ہم یہ دیکھ سکتے کہ جمیل جالبی نے بنیادی ماخذات سے معلومات اخذ کی ہیں، جب کہ سلیم اختر نے ثانوی ماخذ کو مدنظر رکھا ہے اس کے علاوہ وہ حوالہ جات بین السطور درج کرتے ہیں جس میں وہ ہر جگہ مکمل حوالہ بھی نہیں دیتے اور صفحے کے آخر میں وہ حواشی درج کرتے ہیں اس کے علاوہ وہ عبارت میں اس قدر حوالہ شامل کرتے ہیں کہ عبارت کا ربط باقی نہیں رہتا ہے جمیل جالبی ہر جلد کے آخر پر اشاریہ درج کرتے ہیں جب کہ سلیم اختر صرف کتابیات درج کرتے ہیں۔

تقابلی چارٹ

نمبر شمار	مورخ	ادبی تواریخ	اسلوب
			تقابلی چارٹ
1.	ڈاکٹر جمیل جالبی	تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحریر کردہ "تاریخ ادب اردو" کا اسلوب سادہ اور منطقی ہے۔ واقعات کے بیان میں تسلسل ہے اور بھرپور وضاحت سے کام لیا گیا ہے۔
2.	ڈاکٹر تبسم کاشمیری	اردو ادب کی تاریخ ابتداء سے 1857ء تک	ڈاکٹر تبسم کاشمیری "اردو ادب کی تاریخ ابتداء سے 1857ء تک" میں سادہ اور آسان اسلوب اپناتے ہیں واقعات کے بیان میں تسلسل اور روانی ہے۔ مگر آپ زیادہ تفصیل کی بجائے منطقی انداز اپناتے ہیں۔

3.	ڈاکٹرانورسدید	اردوادب کی مختصر تاریخ	ڈاکٹرانورسدید "اردوادب کی مختصر تاریخ" میں سادہ اور رواں اسلوب اپناتے ہیں۔ انہوں نے اسلوب بیان میں اختصار وجامعیت سے کام لیا ہے۔
4.	ڈاکٹر سلیم اختر	اردوادب مختصر ترین تاریخ	ڈاکٹر سلیم اختر "اردوادب مختصر ترین تاریخ" میں منفرد اسلوب اختیار کیا ہے انہوں نے منفرد اور شگفتہ اسلوب اختیار کیا ہے جوادبی تاریخ نویسی کے اسلوب کے مطابق نہیں ہے۔
نمبر شمار	مورخ	ادبی تواریخ	تکنیک
1.	ڈاکٹر جمیل جالبی	تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحریر کردہ "تاریخ ادب اردو" کو تکنیک کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس میں زمانی ترتیب کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی تاریخ میں سماجی تناظرات کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔
2.	ڈاکٹر تبسم کاشمیری	اردوادب کی تاریخ ابتداء سے 1857ء تک	ڈاکٹر تبسم کاشمیری "اردوادب کی تاریخ ابتداء سے 1857ء تک" میں زمانی ترتیب کو اپنایا گیا ہے اور سماجی عوامل کا بیان بھی شامل ہے۔ تاریخ میں نقشہ جات کا اندراج اسے دوسری تواریخ سے منفرد بناتا ہے۔
3.	ڈاکٹرانورسدید	اردوادب کی مختصر تاریخ	ڈاکٹرانورسدید "اردوادب کی مختصر تاریخ" میں زمانی تریتب کو اپنایا گیا ہے۔ سماجی عوامل کی عکاسی بھی مختصر طور پر کی گئی ہے۔

4.	ڈاکٹر سلیم اختر	اردو ادب مختصر ترین تاریخ	ڈاکٹر سلیم اختر "اردو ادب مختصر ترین تاریخ" میں زمانی ترتیب کے بجائے صنفی اور موضوعاتی ترتیب کو اپنایا ہے سماجی عوامل کو بھی سرسری طور پر دیکھا گیا ہے۔ معلومات کو معروضی انداز میں شامل کیا گیا ہے۔

نمبر شمار	مورخ	ادبی تواریخ	ماخذات
1.	ڈاکٹر جمیل جالبی	تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر جمیل جالبی "تاریخ ادب اردو" کو لکھتے ہوئے زیادہ تر بنیادی ماخذات کو مد نظر رکھا ہے اس کے علاوہ ثانوی ماخذات سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کتاب کے آخر پر مفصل اشاریہ بھی شامل کیا گیا ہے۔
2.	ڈاکٹر تبسم کاشمیری	اردو ادب کی تاریخ ابتداء سے 1857ء تک	ڈاکٹر تبسم کاشمیری "اردو ادب کی تاریخ ابتداء سے 1857ء تک" میں بنیادی و ثانوی ماخذات دونوں سے استفادہ کیا گیا ہے اس کے علاوہ وہ نگارشات کے نمونے اور نقشی جات کا اندراج بھی کیا گیا ہے۔ ثانوی ماخذات میں وہ جمیل جالبی تحریر کردہ تاریخ کو بھی شامل کرتے ہیں۔ کتاب کے آخر پر اشاریہ درج کیا ہے۔
3.	ڈاکٹر انور سدید	اردو ادب کی مختصر تاریخ	ڈاکٹر انور سدید "اردو ادب کی مختصر تاریخ" میں بنیادی ماخذات سے زیادہ ثانوی ماخذات کو شامل کرتے ہیں اس کے علاوہ انہوں نے اشاریہ درج نہیں کیا بلکہ کتابیات درج کی ہیں۔

.4	ڈاکٹر سلیم اختر	اردو ادب مختصر ترین تاریخ	ڈاکٹر سلیم اختر "اردو ادب مختصر ترین تاریخ" بنیادی ماخذات تک کم رسائی حاصل کرتے ہیں انہوں نے زیادہ تر ثانوی ماخذات کو شامل کیا ہے اور حوالہ جات کا اندر بھی ایسے انداز سے کرتے ہیں کہ واقعات کے بیان میں ربط باقی نہیں رہتا۔ انہوں نے بھی اشاریہ درج نہیں کیا اور کتابیات شامل کی ہے۔

ب۔ تحقیقی نتائج

1۔ ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں میں وہ تمام اصول شامل ہیں جن کی بنیاد پر ادبی تاریخ نویسی کی جاتی ہے۔ ادبی تاریخ نویسی کے اصول وضع کرتے ہوئے ادبی تواریخ کے پیش لفظ اور اس حوالے سے لکھے جانے والے دیگر مضامین کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ منتخب ادبی تواریخ کے تقابل کے لیے جن پہلوؤں کو مد نظر رکھا گیا ہے ان میں اسلوب ، تکنیک اور ماخذات شامل ہیں جن کے لیے مندرجہ ذیل اصول وضع کیے گئے ہیں:

1۔اسلوب: تسلسل، منطقی انداز / پیرایہ تحریر ،وضاحت، سادگی

2۔تکنیک:ترتیب، تناظرات کی عکاسی،تاریخی اظہار

3:ماخذات: بنیادی و ثانوی ماخذات/دستاویزات ، نگارشات کے نمونے

2۔ جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو میں ادبی تاریخ تاریخ نویسی کے جو اصول اپنائے گئے ہیں ان میں ہم اسلوب، تکنیک ماخذات کے حوالے سےان اصولوں کو دیکھا ہے۔ جمیل جالبی کی ادبی تاریخ کا اسلوب ادبی تاریخ نویسی کے اصول پر پورا اترتا ہے اس میں تسلسل روانی یا وضاحت اور الفاظ کا بر محل استعمال کیا گیا ہے۔ تکنیک کے اعتبار سے جمیل جالبی کی تاریخ ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں کے مطابق ہے، جس میں زمانی ترتیب کو مد نظر رکھا گیا ہے، سماجی عوامل کی عکاسی کی گئی ہے ،اس ساری صورتحال اور تناظر ات کی عکاسی شامل ہے۔عصری صورتحال کے حوالے سے بھی

جمیل جالبی کی ادبی تاریخ میں بنیادی و ثانوی مآخذ ان کو پرکھا گیا ہے۔اس کے علاوہ دستاویزات کو بھی دیکھتے ہیں اور نگارشات کے نمونے بھی ادبی تاریخ نویسی میں شامل ہے اس کے علاوہ ہیں حوالہ جات کے ساتھ اشاریہ بھی تاریخ ادب اردو کے آخر میں شامل کرتے ہیں۔

3۔ منتخب ادبی تواریخ کے معیار کو اسلوب، تکنیک اور ماخذات کی بنیاد پر دیکھا جا ہے تو اسلوب کے حوالے سے تبسم کاشمیری کی تاریخ ادب اردو کا اسلوب ادبی تاریخ کے معیار پر پورا اترتا ہے کیوں کہ انھوں نے علمی اسلوب اختیار کیا ہے جس میں مناسب الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے ادبی تاریخ میں واقعات کی وضاحت کی ہے اور ربط اور تسلسل کو بھی قائم رکھا ہے۔ اس حوالے سے ہم کہ سکتے ہیں منتخب تواریخ میں تبسم کاشمیری کی تاریخ کا معیار دیگر تواریخ سے بہتر ہے۔انور سدید کی تاریخ نویسی کے اسلوب کو دیکھا جائے تو سلاست و روانی موجود ہے مگر بعض اوقات انور سدید غیر معیاری الفاظ کا استعمال کرتے جو ادبی تاریخ نویسی کے معیار کے مطابق نہیں ہے۔اس کے برعکس سلیم اختر کا اسلوب ادبی تاریخ نویسی کے اسلوب کے مطابق نہیں ہے وہ صحافیانہ اور شاعرانہ انداز تحریر میں تاریخ لکھتے ہیں جو کہ تاریخ نویسی کے اعتبار سے غیر معیاری اسلوب ہے۔

تکنیک کے حوالے سے بھی تبسم کاشمیری کی تاریخ ادب اردو ادبی تواریخ کے معیار کے مطابق ہے جس میں انھوں نے زمانی ترتیب اور سماجی عکاسی کو تاریخ کی تکنیک میں اپنایا ہے اس کے علاوہ وہ نقشہ جات کا اندارج بھی کرتے ہیں،جو ان کی تاریخ کو دوسری تواریخ سے منفرد کرتا ہے۔ انور سدید نے اردو ادب کی مختصر تاریخ میں زمانی ترتیب کو اپنایا سماجی عوامل کو بھی شامل کیا ہے مگر سرسری انداز میں تکنیک کے اعتبار انور سدید کی تاریخ بھی بہتر ہے۔ جب کہ سلیم اختر کی ادبی تاریخ میں ادبی تواریخ کی تکنیک کو نہیں اپنایا گیا ہے وہ زمانی اعتبار کو مدنظر رکھتے ہیں ہیں نہ ہی موضوعات میں ترتیب ہے، وہ مختلف عنوانات کے ذیل میں تاریخ لکھتے ہیں جب کہ یہ تکنیک کے اصولوں پر بھی پوری نہیں اترتی ہے۔ اس کا مطالعہ اور تقابل کیا گیا تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تقسیم کاشمیری کی تعریف اردو ادب میں بنیادی و ثانوی مآخذ کو مدنظر رکھا گیا اور ان کے حوالے دیے گئے ہیں۔ اس لیے یہ دوسری تاریخ سے زیادہ بہتر ہے انور سدید بھی تاریخ نویسی میں زیادہ ثانوی ماخذات کو مدنظر رکھتے ہیں اور سلیم اختر نے بھی زیادہ تر ثانوی ماحذات کومد نظر رکھتے ہیں۔مگر وہ ادبی تاریخ میں ضرورت سے زیادہ حوالے یا اقتباسات شامل کرتے ہیں جس سے

تاریخ کے ربط و تسلسل قائم نہیں رہتا ہے تینوں تواریخ کے آخر میں اشاریہ کے بجائے کتابیات درج کی گئی ہیں۔

4۔ ادبی تواریخ کے تقابل کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تبسم کاشمیری کی تاریخ ادب اردو جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو کے زیادہ قریب ہے کیوں کہ اس میں تبسم کاشمیری نے بنیادی و ثانوی ماخذات کو دیکھا ہے اس کے علاوہ تبسم کاشمیری نے زمانی ترتیب کے مطابق تاریخ لکھا ہے اور تاریخ کا اسلوب بھی ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں پر پورا اترتا ہے اس میں ربط و تسلسل ،منطقی انداز اور وضاحت بھی شامل ہے اس کے علاوہ تصاویر اور نقشہ جات کا اندراج تبسم کاشمیری کی تاریخ کو دوسری تواریخ سے منفرد کرتا ہے۔

انور سدید کی اردو ادب کی مختصر تاریخ کچھ حد تک ادبی تاریخ کے اصولوں کے مطابق ہے مگر بنیادی ماخذات کی کمی اختصار اور اسلوب بیان کی وجہ سے اس میں جھول ہے اس لیے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں پر مکمل اترتی ہے۔ سلیم اختر ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں پر پوری نہیں اترتی اس کی پہلی وجہ اس کی تکنیک ہے سلیم اختر نے تاریخ نویسی کی تکنیک کے مطابق تاریخ نہیں لکھی ہے کیوں کہ اس میں نا ہی زمانی ترتیب ہے اور نہ ہی واقعات میں ربط وہ مختلف موضوعات کی ذیل میں تاریخ لکھتے ہیں اس کے علاوہ سلیم اختر کی تاریخ کا اسلوب بھی ادبی تاریخ کے اسلوب کے مطابق نہیں ہے۔اسی لیے یہ جمیل جالبی کی تاریخ اور ادبی تاریخ کے اصولوں پر پورا نہیں اترتی۔

ج۔ سفارشات

1۔ مجوزہ مقالے میں آغاز سے 1900ء تک اردو ادب کی تواریخ کا تقابل کیا گیا گیا 1900ءکے بعد کے ادبی تواریخ کے حصے پر پر بھی کام کیا جاسکتا ہے۔

2۔ مجوزہ کو مقالے میں تین منتخب تواریخ کا تقابل کیا گیا ہے اس کے علاوہ اردو ادب پر لکھی گئی تواریخ کا تقابلی مطالعہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

3۔ مجوزہ مقالے میں ادبی تواریخ کے ضمن میں تکنیک، اسلوب اور ماخذات کا تقابل کیا گیا ہے ادبی تاریخ نویسی کے دیگر اصول و ضوابط پر بھی تقابلی مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

کتابیات

بنیادی مآخذ

انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، بخاری پرنٹنگ پریس لاہور، طبع پنجم 2006 ء۔

تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ (آغاز ابتداء سے 1857 تک)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور 2009ء۔

جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد اول)، مجلس ترقیِ ادب، لاہور، طباعت ششم، 2008ء۔

جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، (جلد دوم) طباعت ششم، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2009ء۔

جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد سوم)، مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور، طباعت دوم، 2008ء۔

سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، (بتیسواں ایڈیشن، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور 2018ء۔

ثانوی مآخذ

کتب

انور جمال، ادبی اصطلاحات، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۲ء۔

اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر علی محمد خاں، اصناف نظم ونثر، الفیصل ناشران، لاہور، 2019ء۔

حامد حسین قادر، داستان تاریخ اردو، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، چوتھا ایڈیشن، س ن۔

خرم قادر، ڈاکٹر، تاریخ نگاری، مکتبہ فکر ودانش، لاہور، فروری 1994ء۔

خالد محمود خان، فکشن کا سلوب، فکشن ہاؤس، لاہور، 2019ء۔

سجاد نقوی، پروفیسر، ڈاکٹر، انور سدید: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 2010ء۔

سلمان احمد (مرتب)، اردو کی ادبی تاریخیں (نظری مباحث)، قصر الادب، حیدر آباد، 1999ء ۔

سوزن بیسنیٹ، تقابلی ادب: ایک تنقیدی جائزہ، مترجم؛ توحید احمد، پورب اکادمی، اسلام آباد، جون 2015ء۔

عزیز احمد، بوطیقا از ارسطو، بک ہاوس، لاہور، ۲۰۰۶ ء۔

عبد العزیز ساحر، جمیل جالبی شخصیت وفن، اکادمی ادبیات، 2007ء۔

گیان چند جین، ڈاکٹر، اردو کی ادبی تاریخیں، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، 2000ء۔

محمد ہارون قادر، پروفیسر، ڈاکٹر، ابجد تحقیق ، الوقار پبلی شر، لاہور، اشاعت ہفتم، 2019ء۔

نسیم عباس احمر/عامر سہیل،ڈاکٹر،(مرتبین)،ادبی تاریخ نویسی، پاکستان رائٹرز کواپریٹو سوسائٹی،لاہور،2015ء۔
نسیم عباس احمر،ڈاکٹر،ترتیب: نوتاریخت (منتخب اردو مقالات)،مثال پبلشرز، فیصل آباد،2018ء۔
Rene Weelek, *Theory of Literature Penguine Book*, 3rd edition, 1963.
William Henery Hydsan, *An introduction to the study of literature* .2nd edition, Geotge G. Hamop co.

لغات

جمیل جالبی،ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد پاکستان،1992ء۔
مولوی فیروزالدین،فیروزالغات،اردو جامع (نیاایڈیشن)،فیروز سنز لاہور،2005ء۔
نورالحسن نیر کاکوری،نوراللغات، نیشنل بک فاونڈیشن، پاکستان،1979ء۔

رسائل و جرائد

دریافت، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز،اسلام آباد،شمارہ5،اگست۲۰۰۶ء۔
تحقیق،شعبہ اردو،سندھ یونیورسٹی،جام شورو،شمارہ۳،۱۹۸۹ء۔

ویب گاہیں:(Websites)

https://ur.m.wikipedia.org/wiki /
http://:www.rekhta.org

http://udb.gov.pk/result.php?search=%D9%85%D8%A7%D8%AE%D8%B0

https://www.oxfordlearnersdictionaries.com/definition/american_english/source_1
https://www.dictionary.cambridge.org/literature /

https://www.collinsdictionary.com/
https://www.oxfordlearnersdictionaries.com/definition/american_english/source_1
http://udb.gov.pk/